پاکستانی
ادب کے
معمار

9

حکیم محمد سعید
(شخصیت اور فن)

تالیف: پروفیسر صادق حسین طارق

حکیم محمد سعید

(شخصیت اور فن)

تالیف: پروفیسر صادق حسین طارق

تدوین: ناصر زیدی

اکادمی ادبیات پاکستان ۰ اسلام آباد

نگرانِ اعلیٰ ———— سید آفتاب احمد شاہ

نگران ———— خالد اقبال یاسر

اہتمام طباعت ———— حمید قیصر

سرورق ———— سیف اللہ خالد

اشاعتِ اوّل ———— سنہ ۱۹۹۹ء

تعداد ———— ایک ہزار

مطبع ———— پوسٹ آفس فاؤنڈیشن پریس اسلام آباد

ناشر ———— اکادمی ادبیات پاکستان
سیکٹر ایچ ۸/۱، اسلام آباد

قیمت ———— ۴۰/- روپے

عظیم پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر کے ساتھ
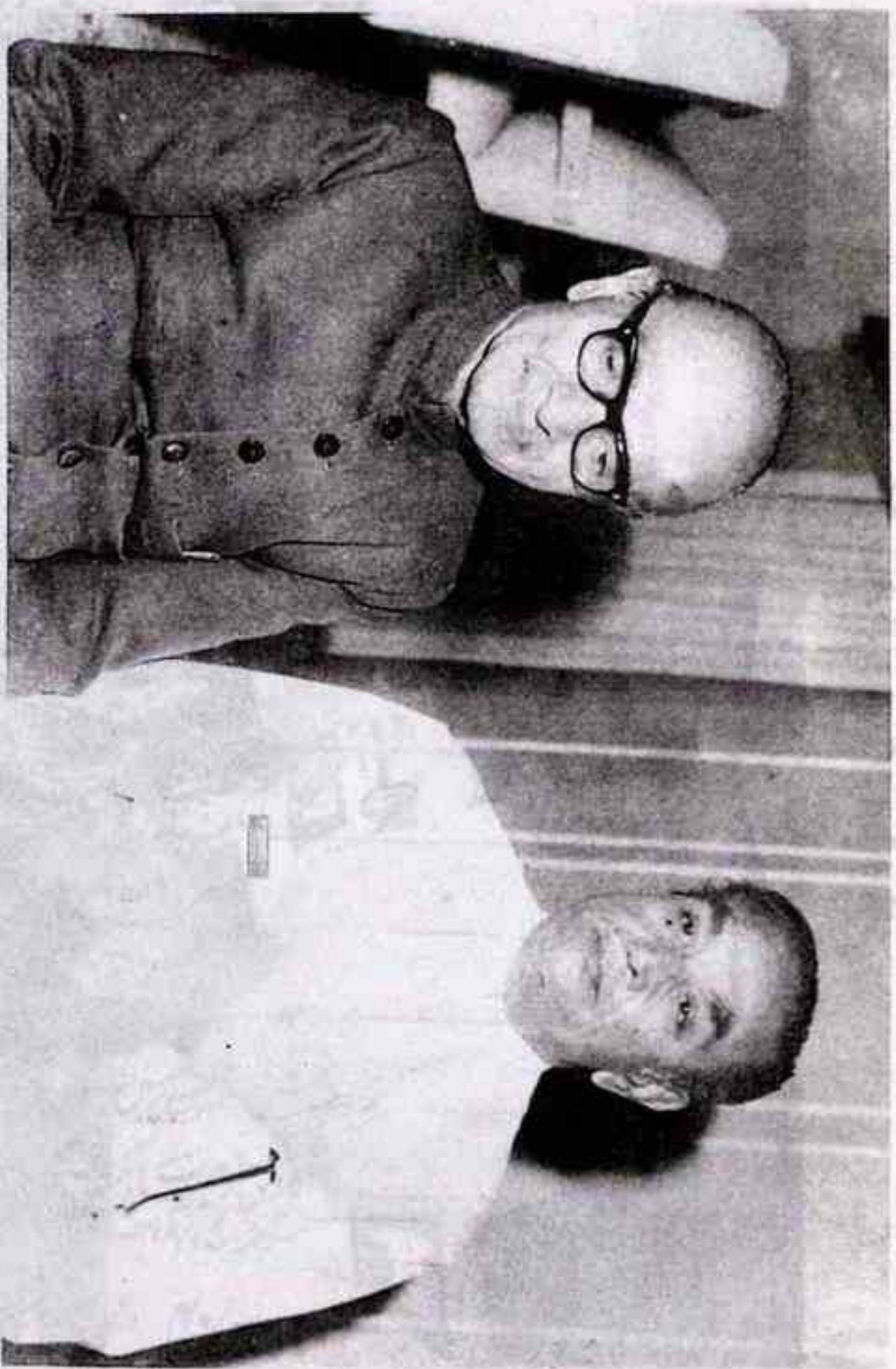
دو بھائی --- برادر عظیم حکیم عبدالحمید کے ساتھ

فہرست عنوانات

صفحات کے نمبر

E Books
WHATSAPP GROUP

پیش نامہ

"پاکستانی ادب کے معمار" اکادمی کا تازہ ترین ادبی و تحقیقی منصوبہ ہے۔ ادب کے معمار کی تعریف کے سلسلے میں اکادمی کو الجھن کا سامنا ہے۔ پاکستانی ادب نے ایک سے ایک ادبی نابغہ پیدا کیا ہے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی صلاحیتوں اور میلان طبع کے مطابق پاکستانی ادب کے اس پرشکوہ ایوان کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ اکادمی ایسے تمام مقتدر، ممتاز اور رجحان ساز ادیبوں کی ادبی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی کہکشاں ہے کہ جس کا ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب ہے۔

اکادمی ایسے تمام نامور ادیبوں، شاعروں، افسانہ نگاروں اور نقادوں کے بارے میں کتابیں شائع کرنا چاہتی ہے۔ ایسی کتاب مونوگراف سے زیادہ اور تحقیقی مقالے سے کچھ کم ضخامت کی حامل ہوگی۔ ہماری کوشش ہے کہ ان کتابوں کی ضخامت، معیار اور مندرجات یکساں ہوں۔

معماران ادب کی تعریف کا مسئلہ اپنی جگہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان شخصیات کی ترجیحاتی فہرست مرتب کرنا بھی اتنا آسان نہیں۔ اس کتابی سلسلے کی آئندہ کتب کی اشاعت کیلئے ایک ترجیحاتی فہرست مرتب کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ

اکادمی کے مالی وسائل اتنی تعداد میں ساری کتابیں ایک ساتھ شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس ترجیحاتی فہرست کے مطابق اس منصوبے کے تحت کتب کی اشاعت جاری رہے گی۔

ان معاملات میں آپ کو شریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکادمی اور متعلقہ ادیبوں کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا قائم رہے اور اکادمی کو اس منصوبے کا آپ کی رہنمائی میں از سر نو جائزہ لینے کیلئے وقت مل جائے گا۔

یہ بہرحال ایک اہم منصوبہ ہے اور اس کے جاری رہنے سے وہ مقاصد پورے ہوں گے جس کیلئے اکادمی قائم کی گئی تھی۔

اس منصوبے کے تحت جو کتابیں پہلے ہی طباعت کے مراحل سے گزر رہی تھیں ان میں سے ایک کتاب آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

خالد اقبال یاسر

ابتدائیہ

دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں جو وجود سب سے زیادہ طاقتور تندرست صحیح و سالم اور نقص و خرابی سے پاک ہوگا وہی عمر طبیعی تک باقی رہے گا جو ایسا نہیں ہوگا وہ حرفِ غلط کی طرح مٹادیا جائے گا' غور کریں دنیا کی ہر خلقت میں' حیات و وجود کے ہر گوشے میں' یہ قانون فطرت کس طرح جاری و ساری ہے اور بغیر کسی کمی و بیشی' تغیر و تبدل یا زوال کے روبہ عمل ہے۔سب سے پہلے تمام مخلوقِ خداوندی میں انسان کو دیکھیں' اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مطالعہ کریں۔انسانی جسم طرح طرح کے اعضائے داخلی اور خارجی سے مرکب ہے جن کے علیحدہ علیحدہ افعال و خواص ہیں' باہم ترکیب و امتزاج کا اعتدال ہے اور ان میں عناصر ترکیبی کی بدولت قوت و ضعف' صحت و بیماری اور نقص و سلامتی کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔انسان جب اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو سب سے پہلی حرکت اس کے ہاتھ نے کی جس کے بعد تمام اعضاء نے جہادِ زندگی میں اس کا ساتھ دیا۔سود و زیاں کی سوچ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ عطا کیا۔اس نے اپنی حفاظت کا سامان پیدا کیا وہ اپنے آپ کو باقی رکھنے اور قوی بنانے کے لئے جن جن چیزوں کا محتاج ہے ان میں سے ہر ایک چیز کو اپنی جدوجہد سے حاصل کرتا ہے اور محض اپنے وجود کی بقا کے لئے سینکڑوں وجود مٹادیتا ہے' وہ جانوروں کو ہلاک کرکے ان کا گوشت کھاتا ہے' سبزیوں کا صفایا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان سب سے افضل و اعلیٰ اور قوت والا ہے اور صاحبِ قوت کا ضعیف کو مٹانا اور مطیع کرنا فطری امر ہے' وہ اپنے تمام اعمالِ حیات میں فوائدِ قوی کو حاصل کرتا ہے اور مضرت رسانیوں کو دور کرتا ہے اس کے معنے بھی یہی ہیں کہ وہ اپنی بقا کے لئے قوی بنتا ہے اور ضعف و

اضمحلال سے بچتا ہے وہ ہلاکت کے ہر حملے کو روکتا ہے اور اس کے لئے دماغ و جسم کے تمام وسائل کو عمل میں لاتا ہے آج دنیا میں جتنے بھی علوم و فنون ہیں یہ سب کے سب انسان کی اسی طلب، بقا اور قوت پذیری کے لئے رائج ہیں۔ اس کے تمام اعمال کا مرکزی نقطہ ہی مقصد یت ہے اس کے ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں جب انسان مین ضعف و نقص اور فتور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اعتدال سے گر جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے کارخانۂ جسم کا کوئی نہ کوئی پرزہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے وہ صاحبِ قوت و ہمت نہیں رہتا اور جب بالکل باقی رہنے کے قابل نہیں رہتا تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ فطرت اس کو چھانٹ دیتی ہے چونکہ قدرت کی سرزمین ناقصوں کی بستی نہیں۔

اس کی اجتماعی زندگی بھی اسی قانونِ فطرت کے تحت چلتی ہے۔ طاقتور اور قوی قومیں کمزور قوموں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ جس جماعت کے پاس قوت و طاقت ہوتی ہے وہ طاقت کے قدرتی جذبے کو لے کر اٹھتی ہے اور قوموں کی قومیں اپنے ماتحت کر لیتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ کی یہ سرزمین صرف ہمارے ہی لئے ہے۔ کیونکہ ہم طاقتور ہیں۔ تمام کمزور ضعیف قومیں اس کے دعویٰ کے سامنے سر خم کر دیتی ہیں۔ وہ اس کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہیں تاکہ وہ قابض ہو جائے ہماری اپنی تاریخ اس کی زندہ مثال ہے۔ ہم اتحاد کی قوت لے کر اٹھے ایک قلیل مدت میں معلوم دنیا کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ چین کے خاقانوں، روس کے زاروں اور یورپ کے شہنشاہوں کو سرنگوں کیا۔ لیکن جب ہم میں اندرونی نفاق و انتشار، عیش و عشرت، عقیدے کی ناپختگی اور جذبات و قویٰ میں ضعف و اضمحلال آگیا تو وہی مغلوب قومیں ہم پر قابض ہو گئیں یعنی۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(اقبالؒ)

بحیثیت ایک مؤرخ کے جب میں نے حکیم سعید اور ان کے خاندان کی تاریخ اور ان کی جد و جہد کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ خاندان ابتدا ہی سے جہد البقاء کے اصول پر پابند

ہے اسی بنا پر میں نے اتنی طوالانی تمہید باندھی ہے۔ آئندہ صفحات کے مطالعے کے بعد آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں روس کے جنوبی ایشیائی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بلخ، بخارا، یارقند، کاشغر اور دیگر بڑے بڑے شہر ہماری عظیم تہذیب و ثقافت کے گہوارے بن گئے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کے عقیدہ، اخوت و اتحاد اور قوت بازو میں اضمحلال آ گیا تو یہ تمام علاقے روسیوں اور مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدال کے اکھاڑے بن گئے اور یہ قوت و اضمحلال کے نتیجہ میں بار بار آباد و برباد ہوتے رہے اس جنگ و پیکار نے یہاں کے باسیوں کو سخت مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ آئے دن کی جنگوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں کچھ قبیلے اور خاندان نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستان کا رخ کرتے اس کی وجہ یہ تھی وہاں مسلمانوں کی ایک مستحکم حکومت قائم تھی۔ اشیائے خورد و نوش وافر مقدار میں میسر تھیں۔ آب و ہوا روح افزاء اور قابل برداشت تھی۔ ہندوستان امن و سکون کا گہوارا تھا۔ یہاں کے بادشاہ ہر آنے والے مسلمان کی دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ ہجرت کر کے یہاں آنے والوں میں حکیم محمد سعید کا خاندان بھی تھا۔

سینہ بہ سینہ جو کہانی ہم تک پہنچتی ہے۔ اس کے مطابق حکیم سعید کے خاندان کے لوگ کاشغر کے رہنے والے تھے اور انہوں نے سترھویں صدی کے دوران وہاں سے ہجرت کی۔ یہ ایک تجارت پیشہ خاندان تھا۔ ہندوستان کے حالات و واقعات اور یہاں آنے والے راستوں سے واقف تھا۔ یہ خاندان شاہجہان کے آخری اور اورنگ زیب کے ابتدائی دور میں درہ خیبر کے راستے پشاور پہنچا۔ چینی ترکستان میں اون اور قالین بافی اس خاندان کا ذریعہ معاش تھا۔ کچھ لوگ کپڑے کی تجارت بھی کرتے تھے۔

یہ خاندان جب منزلیں مارتے ہوئے پشاور پہنچا تو یہاں ہی قیام کا فیصلہ کر لیا۔ کپڑے اور خشک میوہ جات کی تجارت کو اپنا لیا۔ بعض لوگ پنساری کا کام کرنے لگے۔ پشاور میں یہ خاندان تقریباً اسی (۸۰) سال تک رہا۔ بعد میں یہاں سے بھی نقل مکانی کر کے ملتان پہنچا۔

ملتان میں یہ خاندان تقریباً ایک سو پینتیس (۱۳۵) سال تک مقیم رہا۔ اس دوران کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ لیکن اس خاندان کے افراد میں سے کسی نے بھی کسی حکومت سے راہ ورسم قائم نہ کی بلکہ اس کا ہر فرد جہدِ زندگی میں مصروف کار رہا۔ زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ ہی رہے بعض نے برتن سازی کا شعبہ اختیار کیا، بعض لوگ پنسار کے شعبے سے متعلق ہو گئے۔ یہ خاندان امن و سکون اور ذاتی جدوجہد کے ذریعے زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ہندوستان آیا تھا لیکن یہاں کے حالات بھی پر سکون نہ رہے' اورنگ زیب عالمگیر کے بعد شہزادوں میں باہمی جنگ و جدال شروع ہو گئی' کئی امراء اور جاگیردار مرکزی حکومت کی کمزوری کی بنا پر خود مختار ہونے لگے۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد انگریز رفتہ رفتہ شمالی ہند میں قدم جمانے لگے وہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر گامزن رہے۔ اس طرح ہندوستان کی فضا بھی خاصی مکدر ہو گئی تھی۔ جس کا اثر پنجاب پر بھی گہرا پڑا۔ مختلف امراء اور جاگیردار بھی قتل وغارت گری میں مشغول ہو گئے۔ بے سود مسلمانوں کا خون بہنے لگا۔

ان سیاسی ہنگاموں سے تنگ آکر ۱۸۲۰ء میں اس خاندان کے کچھ افراد نے ملتان چھوڑ کر دہلی کا رخ کیا اور یہاں پہنچ کر حوض قاضی کے علاقے کو اپنا مسکن بنایا اس گروہ میں حکیم محمد سعید کے پڑدادا بھی شامل تھے۔ یہ لوگ یہاں پر پنساری کی دکان چلا کر اپنی روزی کمانے لگے۔ یہاں آئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ دہلی ہنگاموں کی زد میں آگیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی مدد سے مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی فوجوں کو شکست دی اور اسے قید کر کے رنگون بھیج دیا وہ وہاں ہی راہیٔ ملک عدم ہوا۔ اب انگریزوں نے ہندوؤں کی مدد سے وہ مظالم توڑے کہ جن کے سامنے چنگیز خان کی چنگیزیت اور وحشت ماند پڑ گئی۔ ابھی یہ آگ سلگ ہی رہی تھی کہ ۱۸۵۶ء میں آپ کے پردادا دہلی سے ترک سکونت کر کے پانی پت چلے گئے۔ پانی پت میں ہی حکیم سعید کے دادا شیخ رحیم بخش کی پیدائش ۱۸۶۴ء میں ہوئی اور آپ کے نانا شیخ کریم بخش ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔

ان دونوں بھائیوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ شیخ کریم بخش بڑے بردبار، انسان

دوست اور کنبہ پرور تھے-وہ اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے نبھاتے تھے- جبکہ شیخ رحیم بخش لاابالی اور مہم جو قسم کے انسان تھے- شیخ رحیم بخش نے قرآن مجید حفظ کیا' مکتب میں کچھ تعلیم پائی اور اپنی مہم جوئی پر نکل کھڑے ہوئے اور پیلی بھیت پہنچ گئے- یہاں ان کے ایک بزرگ کی کاغذ کی دوکان تھی وہاں ملازم ہو گئے بزرگ نے اپنی دختر ان کے عقد میں دے دی اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی- ۱۸۸۳ء میں حکیم سعید کے والد ماجد حکیم عبدالمجید پیلی بھیت میں پیدا ہوئے-اس کے تین سال بعد حکیم سعید کے چچا حافظ عبدالرشید ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے-

شیخ رحیم بخش تقریباً آٹھ سال تک پیلی بھیت میں رہے- اس دوران دہلی کے حالات ذرا بہتر صورت اختیار کر گئے چنانچہ آپ نے پھر دہلی کا رخ کیا- یہاں آکر حوض قاضی کے کٹرہ شیخ رانجھا میں کرائے کا ایک چھوٹا سا مکان لیا اور اس میں سکونت اختیار کر لی- اب گھریلو ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں' انہوں نے چاوڑی بازار میں کاغذ کی دکان میں کام کرنا شروع کر دیا- گزراوقات مشکل سے ہو رہی تھی- کچھ عرصہ کے لئے کھاری باولی میں ایک پنساری کی دکان پر بھی جز وقتی کام کرتے رہے- طبیعت میں اضطراب تھا کہیں بھی مستقل طور پر ٹک نہ پاتے تھے- بہر حال جوں توں کر کے پندرہ برس تک وہ دہلی میں ٹکے رہے ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی اولاد میں تھے-بیٹی بعد میں بعارضہ چیچک اللہ کو پیاری ہو گئی تھی-

ناصر زیدی، حکیم سعید (مرحوم) سے وثیقۂ اعتراف لیتے ہوئے
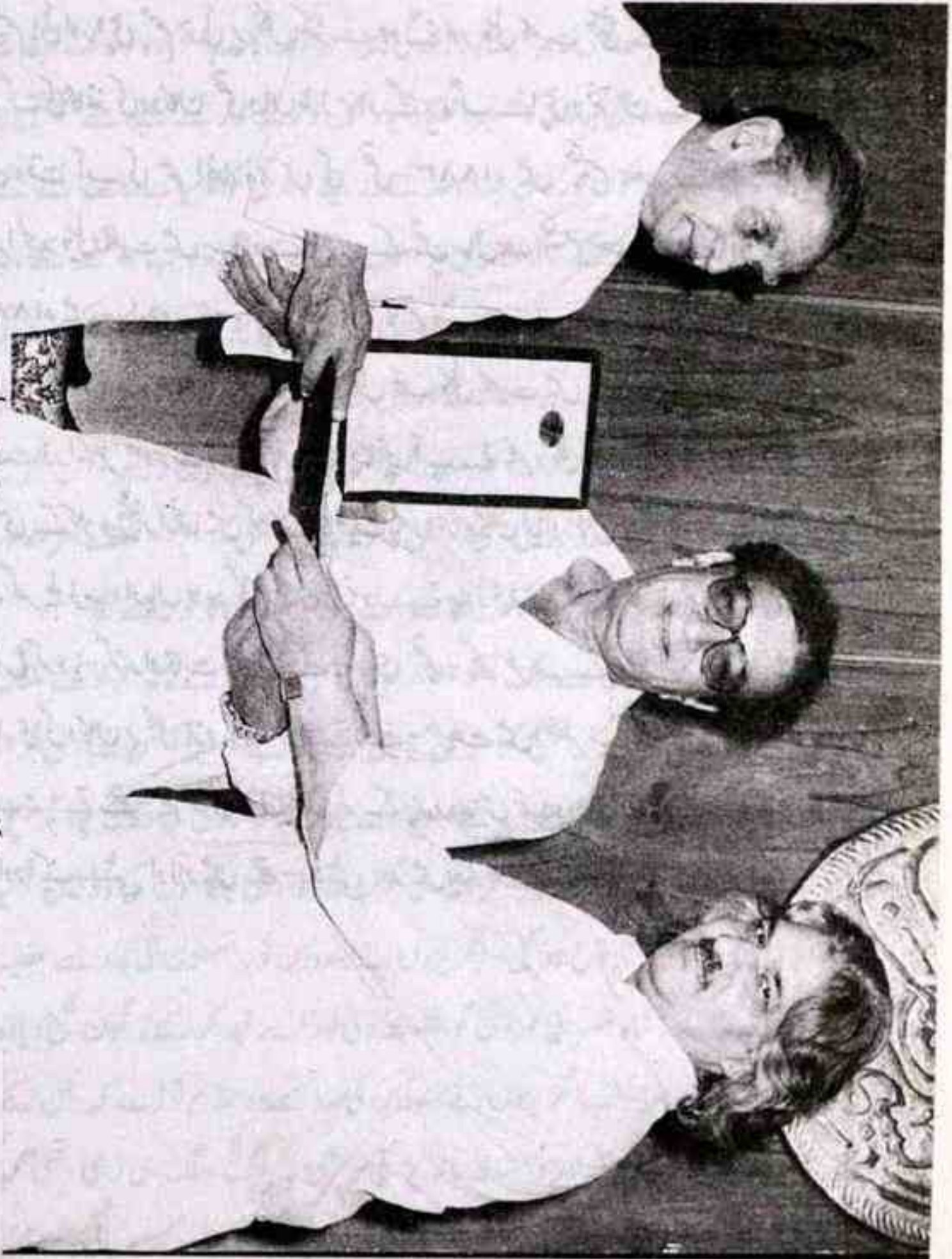
والد ماجد

خلیل جبران نے ایک جگہ کہا ہے "باپ کا کردار ہی زندگی میں ہماری جڑیں مضبوط کرتا ہے"۔ حکیم سعید کے والد محترم حکیم عبدالمجید ۱۸۸۳ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ جب شیخ رحیم بخش دوبارہ واپس دہلی آئے تو انہوں نے اپنے فرزندوں عبدالمجید اور عبدالرشید کو کوچہ پنڈت میں حافظ خواجہ میر مشہود کے پاس بٹھادیا۔ جو طلباء کو قرآن مجید حفظ کرایا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ عبدالمجید کے تایازاد بھائی نور محمد بھی تھے۔ وہاں ان تینوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور تینوں اچھے حافظ بن کر نکلے۔ حکیم سعید کے مطابق "بعد میں ہمارے چچا جان نے اس نعمت کو بھلادیا لیکن میرے ابا اور ماموں حافظ نور محمد آخری دم تک تراویح میں قرآن سناتے رہے"

جب یہ دونوں بھائی قرآن مجید حفظ کر چکے تو والد مکرم نے دونوں کو مسجد حوض قاضی کے مدرسہ یعقوبیہ میں داخل کرادیا۔ ایک عرصہ تک وہ وہاں حصول علم کے لئے کوشاں رہے دینیات کے علاوہ وہاں انہوں نے فارسی میں ملکہ پیدا کرلیا۔ قدیم روایات کے مطابق اس مدرسہ میں طلباء کو خطاطی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ وہاں تختی لکھنے کا اہتمام تھا۔ اس میں روزانہ مشق کرائی جاتی تھی اس محنت اور کوشش سے حکیم عبدالمجید اور حافظ عبدالرشید کے خط بہت اچھے اور پختہ ہوگئے۔ حکیم عبدالمجید تو اپنے خوبصورت خط کی بنا پر خوش نویس کہلانے لگے حکیم سعید لکھتے ہیں :۔ "بعد میں جب انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا تو وہ نہ صرف بورڈ وغیرہ خود بنالیا کرتے تھے بلکہ کنٹروں پر روغنی لیبل بنا کر برش سے لکھ لیا کرتے تھے۔ ایسا ایک کنٹر آج تک ہمارے پاس موجود ہے۔"

جب آپ تعلیم سے فارغ ہو گئے تو آپ کے والد حافظ رحیم بخش آپ کو کھاری باولی کی دکانوں پر کام کے لئے لے جانے لگے- اسی زمانے میں آپ نے پنسار کے کام کے علاوہ دیگر دواؤں میں بھی کچھ شدبد پیدا کرلی- مذہبی تعلیم کے زیر اثر آپ نماز کے پابند تھے ہی اسی زمانے میں مولانا شاہ محمد عمر اخوند جی کی مسجد اور خانقاہ کا بہت چرچا تھا اس بندۂ خدا سے روحانی فیوض حاصل کرنے کے لئے خلقِ خدا دور دور سے آیا کرتی تھی- حکیم عبدالمجید بھی اس درگاہ پر حاضری دینے لگے جس سے ان کا روحانی انہماک بڑھنے لگا اور اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ چلہ کشی کا بھی آغاز ہو گیا- وہ مولانا شاہ محمد عمر کے مرید ہو گئے اور شاہ اخوند جی کی خاص توجہ ان کی طرف ہو گئی- اخوند جی اپنے عظیم باپ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کا عرس بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے خواجہ باقی باللہ کے عرس میں بھی بڑھ چڑھ حصہ لیا کرتے تھے- ۱۱ ربیع الثانی کو فاتحہ کے علاوہ عام لنگر بھی ان کی خانقاہ پر ہوتا تھا- یہ وہ تقریبات تھیں جن میں حکیم عبدالمجید بڑے انہماک اور شوق سے حصہ لیا کرتے تھے-

وہ اپنے دینی اور روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ جدوجہد زندگی میں بھرپور حصہ لیا کرتے تھے- کھاری باولی کی دکانوں اور بتاشے والی گلی میں اچار مربے والوں کے ہاں سے بھی کچھ کما لیا کرتے تھے ان کی گزر بسر تو جوں توں ہو رہی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا کوئی مستقل روزگار نہ تھا اور نہ مستقل آمدنی کا کوئی اور ذریعہ تھا-

۱۹۰۵ء میں دہلی میں طاعون کی وبا پھوٹی- یہ قیامت کے لمحات تھے ہر طرف جنازے اٹھ رہے تھے افراتفری، سراسیمگی اور پریشانی نے ہر سو ڈیرے ڈالے ہوئے تھے- لوگ موت سے بچنے کے لئے شہر خالی کر رہے تھے- ایسے حالات میں حکیم محمد سعید کے بزرگوں نے شہر میں رہنے کا فیصلہ کیا- وہ ہمت و استقلال اور جرأت و پامردی سے حالات کا مقابلہ کرنے لگے حکیم سعید کی دادی اماں ۱۹۰۵ء میں اسی وبائی مرض کا شکار ہوئیں اور انہیں کلو بخش کے تکیے میں سپرد خاک کیا گیا- حکیم محمد سعید بتاتے ہیں :-

"افسوس کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کی قبر کے نشان سے واقف نہیں"

حکیم عبدالمجید کی زندگی تجربات، جدوجہد، عزم و ہمت اور جرأت و استقلال سے

عبارت ہے- رزق وروزی کے حصول کے لئے انہوں نے انتھک محنت کی- صبح جاتے رات گئے واپس آتے- انہوں نے ادویات کے خواص معلوم کرنے میں بڑی دلچسپی لی- ان کی یہ دلچسپی انہیں ایک دن حکیم اجمل خان کے قائم کردہ ہندوستانی دواخانے میں لے گئی- انہوں نے آپ کی ذہانت اور دلچسپی دیکھ کر آپ کو ملازم رکھ لیا- اب آپ کو اپنے رجحان کے مطابق روزگار مل گیا تھا- وہ اس میں دلی لگن اور محبت سے محنت کرنے لگے آپ نے دواسازی کے شعبے میں بڑی عمدہ خدمات انجام دیں-

حکیم محمد اجمل خان کی طبی، سماجی، سیاسی اور علمی خدمات بہت رفیع اور بلند پایہ ہیں آپ کی شخصیت ایک ایسا درخشاں ستارہ ہے- جس سے ان گنت انسانوں نے روشنی اور حرارت پائی- آپ نے ایک طبیہ کالج قائم کر رکھا تھا- اس کالج میں آیورویدک اور یونانی طب کی تعلیم دی جاتی تھی- اس کے علاوہ ایک ہندوستانی دواخانہ بھی قائم کر رکھا تھا- اس دواخانے کی بہت شہرت تھی حکیم محمد اجمل خان کے خاص نسخے اسی دواخانے میں تیار کئے جاتے تھے- حکیم عبدالمجید نے اس دواخانے میں محنت و مشقت سے اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا- جس کی بنا پر حکیم محمد اجمل خان کے معتمدوں میں شامل ہو گئے انہوں نے اس زمانہ میں طب کی تعلیم میں بڑی گہری دلچسپی لی- طب کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس کا مطالعہ آپ نے نہ کیا ہو- حکیم اجمل خان کا کتب خانہ آپ کے زیر مطالعہ رہتا- عربی اور فارسی میں مہارت تھی جس سے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا- اس کے علاوہ آپ ہر جمعہ کو دریہ کلاں جاتے اور اپنی دلچسپی کی کتابیں چن لاتے ان کا بغور مطالعہ کرتے- رفتہ رفتہ ان کا کتب خانہ ترقی کرتا چلا گیا-

ذاتی مطالعہ، عملی کاروبار و تجربہ اور حکیم اجمل خان کی حوصلہ افزائی اور خلوص نے آپ کے اندر اعتماد، قوت ارادی اور کچھ کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا- یہ وہ اوصاف ہیں جو کسی انسان میں ناممکن کو ممکن بنانے کی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں- انہوں نے اپنی زندگی کا نہایت اہم اور دور رس فیصلہ کیا کہ وہ اپنا دواخانہ کھولیں گے اسی سوچ کے آتے ہی آپ ہندوستانی دواخانہ سے الگ ہو گئے اور "ہمدرد" کی بنیاد رکھ دی-

آپ نے حوض قاضی میں چند فٹ کی ایک معمولی سی دکان کرایہ پر لی اور ایک سو روپے کے محدود سرمایہ کے ساتھ اپنے کاروبار کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی رقمطراز ہیں :-

"دواخانہ ہندوستانی کے ایام عروج میں، میں نے ایک صاحب کو دیکھا دبلے پتلے میانہ قد، گندمی رنگ کے بہت کم سخن دکاندار ہیں اور دوا فروشی کی ایک دکان، دواخانہ ہندوستانی کے قریب چلا رہے ہیں۔ معلوم ہوا پہلے دواخانہ ہندوستانی میں یا کسی اور دواخانے میں پندرہ روپے ماہوار کے نوکر تھے۔ مگر اب انہوں نے خود اپنا کام شروع کیا ہے۔ کسی نے کہا حکیم حاجی حافظ عبدالمجید کا دواخانہ کیوں کر چل سکے گا؟ میں نے ہنس کر کہا "وہ تھری ایچ ہیں یعنی ایک ایچ حکیم، دوسرا ایچ حاجی اور تیسرا ایچ حافظ، بس جب راجہ، نواب، ہزہائی نس دو ایچ سے بڑے آدمی بن جاتے ہیں تو یہ تین ایچ سے کیوں بڑے آدمی نہیں بن جائیں گے؟ میں نے معترض سے کہا کہ حکیم حاجی حافظ عبدالمجید صاحب ارزاں فروش ہیں اور دوائیں ایمانداری اور دیانتداری سے بناتے ہیں اس واسطے مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے" (کتاب بحوالہ "مادر ہمدرد")

ایسا ہی ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ہمدرد کی اس چھوٹی سی دکان کو لال کنوئیں کی ایک دکان میں منتقل کرنا پڑ گیا۔ جب کاروبار میں وسعت پیدا ہوئی تو پھر اسے لال کنوئیں میں اس جگہ منتقل کر دیا گیا جہاں یہ اب موجود ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمدرد کے نئے دور کا آغاز ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء کو ہوا۔ حکیم عبدالمجید نے اپنی شبانہ روز محنت و مشقت، جرأت و حوصلہ مندی اور عزم و استقلال کے ساتھ اس مشن کو پورا کیا تھا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۲۲ء کو ہمدرد کے نئے دور کا نئے مقام سے آغاز ہوا تو وہ شخص جس نے ہمدرد کو اپنی روز و شب کی محنتوں سے اس مقام تک پہنچایا تھا اپنی سخت علالت کی بنا پر اس کی افتتاحی تقریب میں شرکت نہ کر سکا اور اسی علالت کے عالم میں ۲۲ جون ۱۹۲۲ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

حکیم عبدالحمید برادر بزرگ حکیم سعید نے اس واقعہ کو اپنی یادداشت میں یوں قلمبند کیا ہے :

"رات نسبتاً سکون سے گزری، صبح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طبیعت سنبھل رہی ہے '
وہ سب کو اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔ مجھ کو اور برادران وحید و سعید کو اپنے پاس کچھ دیر
بٹھائے رکھا۔ آپا جان (بڑی ہمشیرہ) اور ہمشیرہ محمودی بیگم سے دو ایک باتیں کیں۔ لیکن
دوپہر کے بعد ان پر غشی طاری ہو گئی۔ کھانسی ایک دم کم ہو گئی۔ غشی کے دوران بس کبھی
کبھی آنکھیں بھی کھول لیا کرتے تھے گھر کے سب لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو سب رونے
لگے۔ تین بجے کا وقت تھا انہوں نے اس حالت میں نماز کا اشارہ کیا۔ تیمم کے لئے مٹی ان
کے قریب کی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز وقت سے پہلے ہی اشاروں میں پڑھ لی۔ میرا بھی
اس وقت برا حال تھا۔ میں سیدھا اوپر گیا اور نماز والے تخت پر سجدے میں گر کر آدھے گھنٹے
تک رو رو کر ان کی زندگی کے لئے دعائیں مانگتا رہا۔ پونے چار بجے کے قریب نیچے آیا تو سب
ان کے پاس خاموش بیٹھے تھے۔ چار بجے سے ایک دو منٹ پہلے انہوں نے آنکھیں کھولیں اور
سب کو دیکھا پھر کلمہ پڑھا اور چار بجے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہوش
سنبھالتے ہی زندگی کی جدوجہد کرنے والا یہ انسان جس نے ہم کو نئی راہیں دکھائیں اور ایسے
ایسے سبق ہم کو دیئے اور ایسی ایسی مثالیں ہمارے سامنے رکھیں جن کا اثر ہم پر اور ہمارے
خاندان پر مدتوں رہے گا۔ اب وہ ہم میں نہیں تھا۔ وہ اپنا اتنا بڑا کام صرف چالیس برس کی
مختصر عمر میں پورا کر کے ہم سے رخصت ہو چکا تھا۔"

جدوجہدِ زندگی کی ایک عظیم کہانی یہاں ختم ہوئی۔ وہ زندگی جو دوسروں کے لئے
شفا بن گئی تھی ختم ہو گئی، نہیں نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جو بنی نوع انسان کی
فلاح و بہبود کے لئے کام کرتے ہیں وہ کبھی فنا نہیں ہوتے وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ان کا قائم
کیا ہوا "ہمدرد" لاکھوں انسانوں کو روزانہ زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کر رہا ہے۔ بھلا اس کا
بانی کبھی فنا ہو سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں جب تک ہمدرد زندہ رہے گا۔ حکیم عبدالمجید زندہ رہیں
گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے (آمین)

آپ کی وفات کے وقت حکیم عبدالحمید کی عمر تقریباً تیرہ برس اور حکیم محمد سعید کی
عمر دو برس کے قریب تھی۔

عظیم ماں

ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کے سایہ عاطفت میں انسان ہر قسم کا سکون واطمینان پاتا ہے۔ماں کی شفقت ومحبت کا یہ سایہ زمانے کی دھوپ اور تکلیف سے محفوظ ومامون رکھتا ہے۔ ماں وہ ہستی ہے جو خود تو ہر قسم کے دکھ اور مصیبتیں برداشت کرتی ہے لیکن اولاد کی تکلیف کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ماں سے بڑھ کر دنیا کی کوئی ہستی زیادہ سخی، جفاکش، محنتی، محبت کرنے والی، فیاض، رحیم، عظیم اور بہادر نہیں ہو سکتی۔ ماں انسان کا وہ عظیم الشان اثاثہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں عورت کا ایک ایسا مقدس روپ ہے، جو حیات انسانی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ معاشرتی اور عائلی زندگی کے نظم یا بگاڑ میں مرکزی کردار ماں کا ہی ہوتا ہے۔ ماں جتنی مہذب دیندار، سلیقہ شعار اور حق آگاہ ہوگی وہ قوم، وہ کنبہ وہ معاشرہ بھی اتنا ہی ان اوصاف حمیدہ سے متوصف ہوگا۔ انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی آغوش ہی ہے اس کی تعلیم وتربیت کے اثرات انسانی زندگی پر پوری طرح محیط ہوتے ہیں۔ عائلی زندگی میں ماں پورے گھرانے کے نیک وبد کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ماں ہی وہ شخصیت ہے جو افراد خانہ میں حجت ویگانگت، اخوت ومروت، رحمت ورافت، ہمدردی وایثار کا پیغام ہوتی ہے۔ ماں جتنی شائستہ، مہذب، ملنسار، پاکباز اور روشن فکر ہوگی اولاد، گھرانے اور معاشرے پر اتنے ہی گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں عورت کو اور خصوصاً ماں کو جو احترام اور تقدس عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے مذہب وملت میں نہیں ہے۔ یہ عظمت وتوقیر ماں کو اس بنا پر عطا ہوئی ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی عظمت ورفعت اور عزت وتوقیر کا بنیادی پتھر ہے۔

حکیم محمد سعید کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی اعلیٰ اوصاف و کمالات کی حامل ماں عطا کی تھی۔ وہ خود لکھتے ہیں :-

"میری والدہ نے میری تربیت کی اور اس روایت کو قائم رکھا کہ جو دنیا کے بڑے انسان کی والدہ نے پیش کی اور پھر یہ ایک تاریخی حقیقت رہی کہ اس کرہ ارض پر جن انسانوں نے کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان کی تربیت ان کی محترم ماؤں نے کی۔ اپنی عظیم والدہ رابعہ ہندی کی تربیت کا ایک مظہر عالی مرتبت حکیم عبدالحمید ہیں جو دہلی میں عظیم درس گاہیں۔ ہمدرد سکول رابعہ گرلز سکول اور ہمدرد یونیورسٹی قائم کر کے اب مشہور زمانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر ہیں اور ہندوستان کے ان پچاس عظیم انسانوں میں شمار ہوتے ہیں جو ہندوستان کے شب و روز میں مؤثر مرتبہ و مقام کے حامل ہیں۔ والدہ محترمہ کی تربیت کا ایک نمونہ میں حکیم محمد سعید ہوں جس نے ملت پاکستان کی محبت کمائی ہے اور دولت جو کمائی اسے مدینۃ الحکمۃ کی تعمیر میں صرف کر دیا اور مسرور ہوں میرا کوئی بینک بیلنس نہیں ا ۔"

حکیم محمد سعید اسی پیراگراف میں تحریر کرتے ہیں :-

"میری والدہ محترمہ کے انتقال پر مصور فطرت حضرت محترم خواجہ حسن نظامی نے "مادر ہمدرد" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے اور خود "منادی" سے شائع کی" ۲ ۔

"مادر ہمدرد" ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں خواجہ حسن نظامی نے عظیم ماؤں کے بارے میں مختلف مضامین لکھے ہیں ان میں حکیم محمد سعید صاحب کی والدہ محترمہ کے بارے میں ایک مضمون موجود ہے۔ اس مضمون سے چند اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں :

"ایک دن کسی واقف کار نے مجھ سے کہا حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم کی بیوی بڑی نصیب والی ہیں۔ کسی نے ان کو دست غیب کا عمل بتا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خاوند کا دواخانہ ہمدرد دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب یوں رقمطراز ہیں :-

"حکیم حافظ حاجی عبدالمجید مرحوم بانی دواخانہ ہمدرد کی خوش نصیب اور ہمہ صفت

موصوف اہلیہ کا نام رابعہ ہے۔ حضرت رابعہ بصری کا جو درجہ اسلامی خواتین میں مانا جاتا ہے یقیناً اس کی برکات کا اثر بیگم اہلیہ حکیم صاحب میں بھی تھا۔ اس وقت حکیم حافظ عبدالمجید صاحب پندرہ روپے ماہوار کے نوکر تھے۔ اس واسطے مہر بتیس روپے باندھا گیا تھا اور چونکہ بتیس روپے کا مہر شرعی مہر کہلاتا ہے اس واسطے قدرت نے ان کی زندگی کی شروعات کو بھی شریعت کا پابند بنا دیا تھا"۔ ۳۔

"مادر ہمدرد کی ابتدائی زندگی صدیوں پہلے کی مشہور خواتین کی سی زندگی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی اطاعت اور خدمت اس عمدگی سے کرتیں کہ حکیم صاحب کو اپنا گھر جنت معلوم ہوتا تھا۔ خدا نے اس خوش نصیب خاتون کو ان کی محنت اور شرافت کا بہت اچھا صلہ دیا یعنی ان کو پانچ بچے عطا کئے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئیں حمیدی بیگم نام رکھا گیا۔ پھر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبدالحمید رکھا گیا تھا اس کے بعد دوسری لڑکی پیدا ہوئیں جن کا نام محمودی بیگم رکھا گیا۔ ان کے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبدالوحید رکھا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ حافظ عبدالوحید نے عین جوانی کی حالت میں انتقال کیا۔ میں ان کی بیماری کے دوران کئی بار بیمار پرسی کے لئے گیا"۔

مادر ہمدرد کو آخری فرزند عطا ہوئے تو محمد سعید نام رکھا گیا جو حکیم بھی ہیں۔ حافظ بھی ہیں اور کمالات طبِ یونانی کے علاوہ ویدک اور ڈاکٹری بھی خوب جانتے ہیں"۔ ۴۔

رابعہ بیگم مادر ہمدرد ایک اچھی اور نیک مسلم خاتون تھیں۔ وہ قدیم مسلم خواتین کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔ وہ ایک نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ وہ گھر کا سب کام کاج اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔ انہوں نے گھر کے کاموں کے لئے کبھی ملازمہ نہ رکھی۔ البتہ زندگی کے آخری دور میں محض ہاتھ بٹانے کے لئے دو مامائیں ان کے ہاں رہتی تھیں مگر گھر کا کام آپ خود ہی کرتی تھیں۔ ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ نوکر سے بازار کی سبزیوں کا نرخ دریافت کرتیں جو سبزی اچھی اور سستی ہوتی منگا لیتیں۔ اس سے نہایت عمدہ سالن تیار کرتیں۔ یہاں پر ایک اہم اور قابل ذکر بات اولاد کی سعادت مندی ہے۔ ان بچوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے یا ہمیں یہ چیز نہیں بھاتی۔ یہ

کیوں پکائی گئی ہے۔ والدہ محترمہ جو کچھ پکا کر سامنے رکھ دیتیں وہ خوشی خوشی اسے کھا لیتے۔ انہوں نے کبھی کسی چیز پر اعتراض نہ کیا۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں :-

"بانی ہمدرد کی وفات کے وقت سب سے بڑے لڑکے کی عمر تیرہ برس کی تھی۔ اس واسطے ماننا پڑتا ہے کہ ہمدرد کو جو بے نظیر عروج حاصل ہوا وہ سب مادر ہمدرد کی نیک نیتی اور حسن تدبیر کا نتیجہ ہے جو لوگ پردے کے مخالف ہیں ان کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ اس پردہ نشین خاتون نے اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے اولاد کو بھی تربیت دی اور دواخانے کو اس طرح چلایا کہ وہ دن بہ دن ترقی ہی کرتا رہا اور آج وہ دواخانہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا کا سب سے بڑا یونانی دواخانہ ہے" ۵۔

حکیم عبدالمجید کے انتقال کے بعد دنیا کے لالچ میں آکر گھر کے رشتہ داروں کا خون سفید ہو گیا۔ حکیم محمد سعید کے دادا جان، چچا جان اور ماموؤں نے ہمدرد پر قبضہ جمانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس وقت یہی رابعہ بیگم تھیں جنہوں نے پردے میں رہ کر اس پودے کی آبیاری کی۔ اس ضمن میں حکیم محمد سعید لکھتے ہیں :-

"حکیم حافظ عبدالمجید کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہمدرد کے چاروں طرف فتنے جاگ اٹھے حرص و آز کی ہر آنکھ وا ہو گئی۔ دادا اور چچا دعویدار بنے کہ ہمدرد ان کی ملکیت ہے۔ وہ بہر طور بیوہ مجید اور فرزندان ہمدرد کو ہر حق سے محروم کر دینے کے درپے تھے اور دونوں ماموں جو ہمدرد میں بااختیار کارکن کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اب محنت کے صلے میں حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ہمدرد کو اپنے زیر نگیں رکھنا چاہتے تھے اور اپنے علاوہ ہر ایک کو بے وزن اور بے وقعت رکھنے پر مصر"

ایسے نامساعد حالات میں ایک بیوہ خاتون نے بڑی بہادری اور استقامت سے کام لیا۔ مولانا قاضی مشرف علی بدایونی جو ہمدرد کے ایک مخلص کارکن تھے وہ سہارا بنے ایسے میں مادر ہمدرد نے حالات کا گہرا مطالعہ کر کے دلیرانہ فیصلہ دیا۔ حکیم سعید لکھتے ہیں :-

"بالآخر ہماری آپا نے دلیرانہ فیصلہ کیا کہ دادا ابا، اور چچا جان کا جو حق ہے وہ انہیں ادا

کر دیا جائے اور ماموں حافظ نور محمد کو ایک مؤثر کارکن کی حیثیت سے کام کی دعوت دی جائے ان کا یہ بھی ایک مستحکم فیصلہ تھا کہ ان کی حیثیت قطعی طور پر ملازموں کی سی ہو گی اور ان کا حق محنت ان کو ادا کر دیا جائے گا اور وقت آنے پر عبدالحمید حکیم محمد سعید کے بڑے بھائی پوری قطعیت کے ساتھ با اختیار ہوں گے۔"

آپ ایک مثالی اور بلند ہمت خاتون تھیں وہ زندگی بھر بڑی پابندی اور لگن سے فریضہ نماز ادا کرتی رہیں۔ وہ اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں اور اخلاق کی کسی کوتاہی کو برداشت نہ کیا کرتی تھیں۔اس معاملے میں بڑی سخت گیر تھیں۔ وہ توازن قائم رکھنے کا گر جانتی تھیں۔ حکیم محمد سعید کے الفاظ میں "اگر ان میں یہ عظمتیں نہ ہوتیں تو ابا جان کے انتقال کے بعد ہمدرد باقی کہاں رہ سکتا تھا" حقیقت یہ ہے کہ ہمدرد کے قیام میں وہ اپنے عظیم شوہر کی دستِ راست رہیں۔ خالص روغن بادام کے لئے وہ رات رات بھر بادام توڑ کر گریاں نکالا کرتی تھیں۔ حبوب مقوی معدہ کی گولیاں سال ہا سال اپنے ہاتھوں سے بناتی رہی تھیں۔ زندگی بھر ان کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ نہ پردہ چھوڑا۔ وہ بڑی کفایت شعار تھیں۔ جو پکاتی تھیں اس میں ایک لذت ہوتی تھی۔ان کے شوہر دن بھر کی محنت کے بعد جب گھر آتے تو وہ ان کا خوش دلی سے استقبال کرتیں۔ وہ کھانا لا کر سامنے رکھ دیتی تھیں اور ان کے شوہر جو لا کر رکھ دیا اسے اطمینان اور مسرت کے ساتھ کھا لیتے۔ دن بھر کی آمدنی لے کر وہ گنتی کرتی تھیں وہ اس آمدنی میں سے کچھ پیسے غائب کر دیتی تھیں برسوں یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تھوڑی تھوڑی رقم الگ کر کے رکھتی رہیں۔ان کے شوہر اس سے باخبر تھے۔

ایک رات ان کے شوہر تھکے ہوئے گھر آئے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے بیگم نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:

"سامنے کی مکان کی ضرورت ہے۔دلال نے جو رقم بتائی ہے وہ ہے نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔"

وفا شعار بیوی سے اپنے شوہر کی پریشانی دیکھی نہ گئی۔اپنی چارپائی سرکائی پیچھے کی دیوار کو توڑا اس میں سے ایک تھیلی نکالی۔ رقم کی گنتی ہوئی تو وہ دس ہزار سے اوپر چاندی کے

روپے تھے۔ اس رقم سے وہ عمارت خریدی گئی جہاں لال کنوئیں پر ہمدرد آج بھی قائم ہے۔

یہ حکیم محمد سعید کی عظیم والدہ محترمہ کی تعلیم و تربیت، ایثار و قربانی، منصوبہ بندی اور جرأت و ہمت کا فیضان تھا کہ ان کی اولاد نے کامیابیوں اور فتوحات کا ایک ناقابل تسخیر سلسلہ قائم کیا جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

یہ وہ عملی تعلیم و تربیت ہے جس نے ان کی اولاد پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انہیں شریف النفس اور حلیم الطبع بنا دیا ہے۔ ان کے اندر جوش و جذبہ اور کام کرنے کی لگن پیدا کی۔ انہیں کفایت شعاری اور سادہ زندگی کا پرستار بنایا۔ وہ دین اسلام کے شیدائی بن گئے۔ حکیم محمد سعید اٹلی میں تھے کہ آپ کی والدہ سخت بیمار ہو گئیں۔ آپ دہلی پہنچے اور آپ کی والدہ ماجدہ راہی ملک عدم ہوئیں۔ انہوں نے آخری وقت پر فرمایا۔ ''زندگی میں کسی سے انتقام نہ لینا، یہ یاد رکھنا کہ معاف کر دینا سب سے بڑا انتقام ہے۔ شہرت کے پیچھے نہ بھاگنا ایسے کام کرتے رہنا کہ شہرت تمہارے پیچھے دوڑتی رہے۔ اللہ حافظ!''

حوالہ جات

۱۔ ''آواز اخلاق'' ۔ ۲۸ جنوری تا ۷ فروری ۱۹۹۸ء صفحہ ۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ''مادر ہمدرد'' از خواجہ حسن نظامی صفحہ ۱۵۲

۴۔ ''مادر ہمدرد'' صفحہ ۱۵۳-۱۵۴

۵۔ ''مادر ہمدرد'' صفحہ ۱۵۴-۱۵۵

برادرانِ خوش خصال

بچپن میں ہی حکیم محمد سعید کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا تو ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا بیڑا ان کی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے اٹھایا جو خود اس وقت تیرہ برس کے تھے اس ضمن میں حکیم محمد سعید لکھتے ہیں :

"آج میں جب زندگی کے میدانوں میں اپنی سرگرمیوں کو دیکھتا ہوں تو میں ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ میرے بھائی جان محترم نے میری پرورش کی ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے فکر و عمل سے دین و دنیا کی تعلیم وتربیت دی کہ جس نے آج مجھے حکیم محمد سعید بنا دیا ہے۔ ایک نہایت خاص بات یہ ہے کہ اپنوں نے ایک بار بھی تو مجھے برا نہیں کہا ایک بار بھی ہدایت نہیں دی۔ بس اپنے عمل سے میری تربیت کرتے رہے وہ ایک نہایت اعلیٰ نمونہ زندگی بن کر میرے سامنے رات دن رہے۔ نہ جانے میری خاطر انہوں نے اپنی کتنی خواہشات کو ترک کر دیا اور مجھے انسان بنانے کے لئے اپنا آرام تک ختم کر دیا۔" [۱]

خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب "مادر ہمدرد" میں حکیم عبدالحمید کی مصروفیات اور عادات و خصائل کے بارے میں یوں ذکر کیا ہے :-

صبح چار بجے پیدل ہوا خوری کے لئے چلے جاتے ہیں اور کئی میل کی چہل قدمی کر کے دواخانے میں آجاتے ہیں جہاں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بیمار ہر قوم و ملت کے عورت ، مرد ان کے انتظار میں جمع ہوتے ہیں۔ آتے ہی مطب شروع ہو جاتا ہے ، مطب سے فارغ ہو کر دوا سازی اور دوا فروشی اور باہر کی ڈاک کی روانگی کے انتظامات کو گہری نظر سے دیکھتے

ہیں، لیکن کمال یہ ہے کہ میں نے کبھی ان کو لوگوں کے ہجوم سے گھبراتے نہیں دیکھا نہ کبھی ان کو کسی پر خفا ہوتے دیکھا!"

"مطب کے لئے جس حاضر دماغی کی ضرورت ہے خدا نے ان کو سب سے زیادہ دی ہے۔ میں نے بے شمار چھوٹے بڑے حکیموں کو دیکھا کہ بیماروں کے بے موقع اور بے عقلی کے سوالوں سے ان کو غصہ آجاتا ہے۔ مگر حکیم عبدالحمید صاحب کے مطب میں بیٹھ بیٹھ کر ان کے مزاج کو چھلنی میں چھانا۔ مگر کبھی تیوری پر بل نہیں دیکھے۔"[۲]

آپ بے حد مصروف، بے حد خلیق، بے حد شفیق اور بے حد ذہین ہیں 'وہ اپنی سادگی اور وضعداری کی بنا پر ایسے عظیم انسان لگتے ہیں جنہیں اپنی عظمتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ والد محترم کی وفات کے بعد آپ نے ہمدرد کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا اس کے ساتھ ہی طبیہ کالج دہلی میں اپنی تعلیم بھی مکمل کرتے رہے۔ وہ اپنی جدو جہد محنت و کاوش ہمت و استقلال سے حکیم بنے۔ جب انہوں نے بااختیار حیثیت سے ہمدرد کا نظم و نسق سنبھالا تو ان کے ماموؤں نے اپنے عزائم کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمدرد کے مقابلے میں "ہمدم" کا ادارہ قائم کیا۔

آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ شام سے رات گئے تک عطاری کرتے تھے ایک دفعہ نئے ادارے "ہمدم" کی تقریب افتتاح تھی جس کا لال کنوئیں میں بہت چرچا ہوا جسے دیکھو وہ ادھر کو ہی دوڑا جا رہا ہے۔ "ہمدرد" میں اس شام سناٹا تھا۔ حکیم محمد سعید کہتے ہیں کہ اس سناٹے میں چند بچے سامنے سے گزرے ان میں سے ایک نے آوازہ کسا:

"ہمدرد میں الو بول رہا ہے"

اس آوازے کے باوجود حکیم عبدالحمید کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر نہ آئے بلکہ اس آوازے نے مہمیز کا کام کیا اور عہد کر لیا کہ میں ہمدرد کو وہ عظمت و رفعت عطا کروں گا کہ اس کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکے گا" اور وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ نے اپنی محنت اور جدو جہد سے اس چیلنج کی عملی صورت گری کی کہ آج "ہمدرد" نہ صرف پاک و ہند میں مشہور ہے بلکہ بین الاقوامی شہرت و ناموری کا حامل ہے۔

جب حکیم محمد سعید نے ذرا ہوش سنبھالا تو حکیم عبدالحمید عطاری سے سبکدوش ہو گئے اور دواسازی کرنے لگے ہمدرد دواخانے میں عطاری کی نشست حکیم محمد سعید کے سپرد ہوئی۔

حکیم محمد سعید کی زندگی مسلسل جدوجہد کی زندگی ہے۔ ان کا بچپن اور لڑکپن بھی کھیل کود کے بغیر گزرا۔ اس زمانہ میں ہمدرد دواخانہ سخت مراحل سے گزر رہا تھا آپ کے والد ماجد حکیم عبدالمجید صاحب کو شب و روز محنت کرنا پڑتی ایسے میں ایک مخلص اور وفا شعار بچہ کھیل کود کی طرف کیسے متوجہ ہوتا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ محنت و کوشش ان کو ورثہ میں ملی۔ ابھی تیرہ برس کے ہی تھے کہ ہمدرد کی بھاری ذمہ داری ان کے کاندھوں پر آن پڑی۔ ادھر چچاؤں اور ماموؤں نے ہمدرد کو گرانے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ اتنا بڑا چیلنج تھا کہ اگر رابعہ ہندی (مادر ہمدرد) اور حکیم عبدالحمید ذرا سی کوتاہی کرتے تو ہمدرد اس عظمت و رفعت کو کبھی نہ پہنچتا۔

حکیم عبدالحمید بڑے پختہ ارادے کے مالک ہیں۔ ان کا ارادہ چٹان کی طرح سخت ہوتا ہے وہ غور و فکر اور فیصلہ کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ معاملات و مسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ وہ ہر مسئلے کے ہر پہلو پر غور و خوض کرتے ہیں۔ صلاح و مشورہ بھی کرتے ہیں اس کے بعد فیصلہ کرتے ہیں اور فیصلے کے بعد اس پر پورا پورا عمل کرتے ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کا عکسِ جمیل حکیم محمد سعید ہیں۔ حکیم سعید اپنے بھائی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"ہمدرد کے لئے ان کی منصوبہ بندیاں، ترقی ہمدرد میں مثالی اور بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں قناعت کا اصول ہمیشہ کار فرما رہا ہے وہ توسیع کاروبار کو دیانت و امانت کے اصول پر قبول کرتے ہیں۔ میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ کم از کم سات سال مسلسل ان کے ساتھ کام کیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ "ہمدرد" کی ترقی و تعمیر ان کی فکری عظمتوں اور عملی رفعتوں کی رہین منت ہے اور ہم سب ان کے خوشہ چین ہیں۔" ۳۔

حکیم محمد سعید اپنے ایک مضمون " کہانی میری، زبانی میری " میں لکھتے ہیں :

"میری تربیت کا بڑا عنوان میرے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید ہیں- انہوں نے مجھے انسان بنانے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں- خود بے انتہا قربانیاں دیں مگر میرے مرتبہ انسانیت کو گرنے نہیں دیا- وہ اب ۷۳ سال کے ہیں- آج جب میں غور کرتا ہوں اور انتہائی گہرائیوں میں جا کر غور کرتا ہوں تو مجھے اس مرد درویش کی کوئی خطا نظر نہیں آتی- میں نہایت ایمانداری کے ساتھ ان کی اخلاقی کمزوری کا کوئی ایک حادثہ تلاش کرنے میں سرگرداں ہوں مگر میں نہایت ایمانداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے ان کا کوئی ایک بھی اخلاقی حادثہ نہیں ملتا-" ۴۔

حکیم عبدالحمید ایک شریف و نجیب اور مخلص انسان ہیں وہ اپنی زبان سے ایسا لفظ نہیں نکالتے جس سے کسی انسان کی دل آزاری ہو- وہ اخلاق اور اخلاص سے گرا ہوا لفظ استعمال نہیں کرتے- وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں' ان کا رہن سہن، کھانا پینا، پہننا اور زندگی کا ہر انداز نہایت سادہ ہے- حکیم محمد سعید کے مطابق :-

"وہ ہمیشہ زمین پر سوتے ہیں- بستر گرمیوں میں چٹائی اور سردیوں میں ہلکی توشک- ان کی غذا سادہ، ان کا دفتر معمولی، ان کا اعتکاف خانہ جہاں بیٹھ کر انہوں نے عظیم کارنامے انجام دیئے کھلی زمین، ایک پرانی میز اور ٹوٹی کرسی سے عبارت ہے-"

ہر چیز فراواں ہو، ہر چیز میسر ہو اور آدمی زیادہ سے زیادہ سادگی اختیار کرتا چلا جائے یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟ انہوں نے نئے کپڑے سلوانے بند کر دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہیں کہ وہ تاحیات کام آ سکتے ہیں- وہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے ہیں- اپنے جوتوں پر خود پالش کر لیتے ہیں جو کچھ کھانے کو مل جائے کھا لیتے ہیں- ہندوستان کے صدور، وزرائے اعظم اور اعلیٰ درجے کے سیاستدانوں سے تعلقات ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی فائدہ اٹھایا نہ فخر کیا-

جناب عبدالحئ فاروقی اپنے ایک مضمون بعنوان "بھائی ہو تو ایسا" میں حکیم عبدالحمید کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"حکیم صاحب ملک (بھارت) کے ان گنے چنے چند افراد میں سے ہیں جن کی

قربانیوں اور بیش بہا خدمات کو جیتے جی قبولیت عامہ حاصل ہو چکی ہے۔ ورنہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہماری مردہ پرست قوم بعد از وقت جاگتی ہے اور پھر اپنے محسن و قائد کی ثنا خوانی اور مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی ہے۔ حکیم صاحب نے جو بھی تعمیری کام انجام دیئے ہیں وہ انتہائی ناسازگار، صبر آزما اور مشکل حالات میں انجام دیے ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں یقین محکم اور عمل پیہم کے ہتھیار سے لیس ہو کر فاتح عالم کا مرتبہ حاصل کیا ہے-------- حکیم عبدالحمید ایک فولادی عزم، پتھر کا کلیجہ اور لوہے کا دل و دماغ لے کر آئے ہیں انہیں جس ماحول سے سابقہ پڑا تھا وہ اسی کا متقاضی تھا اور آج ان کی کامیابیوں کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔''۵

وہ ایک کامیاب اور تجربہ کار صنعت کار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد منکسر المزاج اور ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان ہیں۔ ان کی وسعت اخلاق اور مشفقانہ برتاؤ قابل تقلید ہے۔ نام و نمود اور ظاہری ٹیپ ٹاپ ان کی طبیعت اور مزاج کے خلاف ہے، فکر و عمل کے لحاظ سے مذہبی خیالات کے حامل ہیں ہر طرح کے مسلکی اور مشربی اختلافات سے اوپر اٹھ کر دین حق کو اس کے اصلی اور بنیادی خدوخال سے دیکھتے ہیں۔

''حکیم عبدالحمید کی شخصیت کسی حلقے اور کسی طبقے میں کبھی متنازعہ نہیں رہی۔ انہیں ہر طبقے کے لوگ دل سے جانتے اور مانتے ہیں اور محبت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے اس ایثار و قربانی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ''جامعہ ہمدرد'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ جس کے آج وہ چانسلر ہیں انہوں نے ہمدرد نگر میں نوے ایکڑ کے وسیع رقبے میں کروڑوں روپے کی لاگت سے یونیورسٹی کی مختلف فیکلٹیوں کی عمارتیں بنوائیں۔ تجربہ گاہیں، طلباء کے ہوسٹل اور اسٹاف کوارٹرز بنوائے اور ان کروڑہا روپے کی لاگت سے جو عظیم الشان کیمپس وجود میں آیا اس کو بقول شخصے تھالی میں سجا کر قوم کے حوالے کر دیا۔ ملک و قوم نے بھی ان کی ان ہمہ جہت خدمات کو سراہا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، چنانچہ صدر جمہوریہ ہند نے انہیں پہلے ''پدم شری'' اور پھر ۱۹۹۱ء میں ''پدم بھوشن'' کے خطابات دیئے۔ حکومت روس کی جانب سے ۱۹۸۳ء میں ابن سینا ایوارڈ ملا۔ اسلامی جمہوریہ ایران نے انہیں اکیڈمی آف

میڈیکل سائنس کا اعزازی رکن منتخب کیا۔ ۳۱ مارچ ۱۹۹۸ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے معزز اراکین نے انہیں متفقہ طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا چانسلر بھی منتخب کر لیا ہے لیکن ان تمام اعزازات کے ہوتے ہوئے خود حکیم صاحب ان انعامات واعزازات سے دور بھاگتے رہے چنانچہ ایک جگہ وہ خود تحریر کرتے ہیں:

”خطابات و اعزازات سے معلوم نہیں کیوں ہمیشہ میری روح گریزاں رہی ہے۔ انسان کو پرکھنے کا ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے عمل“ وہ خود اس کی جیتی جاگتی مثال بنے ہوئے ہیں۔“ ۶۔

یہ وہ مقام ہے جس پر وہ فائز ہیں۔ ایسے میں سادگی اور بوریا نشینی کیا سنت رسول عربی ﷺ کی پیروی نہیں ہے؟ آپکو اپنے بھائی حکیم محمد سعید سے انتہادرجہ کی محبت اور انس ہے۔ بھائیوں کی یہ جوڑی اس دنیا میں ایک بے مثال جوڑی ہے جہاں دولت جائیداد کے لئے بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو جاتا ہے یہ دونوں بھائی یک جان دو قالب ہیں۔ دولت اور جائیداد کو ایک دوسرے پر نثار کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ دونوں بھائیوں کی اس ضمن میں دو مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حکیم محمد سعید لکھتے ہیں:۔

”دہلی میں تیس ہزاری میں کشمیری دروازہ کے باہر ایک کوٹھی تھی۔ اس زمانہ میں وہاں موٹر کار ٹیکسیشن کا دفتر تھا۔ اسے حکیم عبدالحمید نے دو لاکھ ستائیس ہزار روپوں میں خرید اور رجسٹری بھی اپنے نام سے کرا دی۔ مجھے ایک دوست نے کہا کہ مالک تو تم بھی ہو پھر اکیلے عبدالحمید کے نام سے رجسٹری کیوں ہوئی؟ میں نے مفہوم و مطلب کو پوری طرح سمجھے بغیر یہی بات اپنی والدہ محترمہ سے کہہ دی، انہوں نے یہ بات بہت احتیاط کے ساتھ حکیم عبدالحمید تک پہنچا دی۔ میں سمجھا میں نے بات کر دی اور بات ختم ہو گئی لیکن ایسا نہیں ہوا کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کوٹھی فروخت کر دی گئی ہے اور کچھ منافع بھی ہوا ہے۔ اس کی تمام رقم سے بھائی جان نے تمام جائیداد حکیم محمد سعید اپنے چھوٹے بھائی کے نام سے خریدی اور ساری ملکیت بھی ان کے نام کر دی اور کبھی ایک حرف بھی اپنے چھوٹے بھائی سے نہ

کہا۔"۷؎

اب ذرا دوسری طرف حالات کا مطالعہ کیجئے حکیم محمد سعید لکھتے ہیں :-

"ہم دونوں بھائیوں میں اتنی طویل زندگی میں کوئی ایک اختلاف نہیں ہوا' ہماری باہمی محبت ایک بڑی شاندار مثال ہے۔ہم دونوں بھائی یک دل، یک فکر اور یک مزاج ہیں۔ وقت گزرتا گیا۔ بھائی جانِ محترم کے بیٹے عبدالمعید اور حماد احمد بڑے ہوتے رہے ان نہایت اچھے بھتیجوں کے دل میں ضرور یہ خیال آیا کہ یہ چچا جان کوئی بزرگ ہیں جو سارے کاروبار پر حاوی اور قابض ہیں۔ ان کی جائیداد تو ہمارے ابا جان سے بھی زیادہ ہے جس دن میں نے اپنے بھتیجوں کے دلوں میں اس کانٹے کو محسوس کیا میں نے ایک تاریخی فیصلہ کیا۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمدرد خاندان میں چچا بھتیجوں کی لڑائی کا کوئی بھی امکان ہو۔ عزتِ خاندان نے مجھے راہ ہجرت دکھائی میں نے سنت کے طور پر اسے قبول کر لیا۔ ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو صبح ۱۰ بجے میں نے ہندوستان کو چھوڑ دیا۔ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو دل مسوستے چھوڑ دیا مگر میں نے ایک عظیم قربانی دی اور غربت اختیار کی۔ میں نے اپنے بھتیجوں کے لئے راستہ صاف کر دیا میں نے اپنے عظیم بھائی کی محبت کو برقرار رکھنے کے لئے دہلی کو خیرباد کہہ دیا۔ میں نے اپنی ساری جائیداد اپنے بھتیجوں کے لئے چھوڑ دی۔ میں نے اپنی ساری دولت کا اپنے بھتیجوں کو مالک بنادیا اور خود فقیری اور غریبی اختیار کر لی۔۸؎

محبت قربانی مانگتی ہے اور دونوں بھائیوں نے بھائیوں کی محبت کی خاطر جائیداد و دولت کی قربانی پیش کر دی۔ کتنا عظیم کارنامہ ہے!

حوالہ جات

۱- کتابِ سعید از ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، صفحہ ۵۷۴

۲- مادر ہمدرد از خواجہ حسن نظامی، صفحہ ۱۵۶-۱۵۵

۳- ایضاً

۴- کتاب سعید صفحہ ۵۱۳

۵- ایضاً صفحہ ۴۵۱

۶- ایضاً صفحہ ۴۶۳

۷- کتابِ سعید صفحہ ۷۵-۵۷۴

سیاسی وسماجی پس منظر

حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو حکیم حافظ عبدالمجید کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ دور برصغیر کی سیاسی تاریخ کا اہم ترین دور تھا۔ تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ رولٹ ایکٹ کے تحت ہندوستانیوں کی پکڑ دھکڑ شروع تھی۔ لیکن علی برادران اور گاندھی جی کی قیادت میں ہندوستان کے طول و عرض میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میثاق لکھنؤ کے اثرات موجود تھے۔ یہ ہنگاموں اور انقلابوں کا دور تھا۔ جنگ عظیم اول ختم ہو چکی تھی۔ مغرب کے حریص شکاری گدھوں کی طرح ترکی خلافت پر ٹوٹ پڑے تھے وہ اس کے حصے بخرے کر رہے تھے۔ پرانی دنیا مر رہی تھی اور نئی جنم لے رہی تھی۔ اس نئی دنیا میں نیا خون اور جوش و جذبہ پیدا ہو رہا تھا۔ دنیا میں نئے قائدین اور سیاسیین ابھر رہے تھے، اور اپنی قوموں میں آزادی و حریت کو تحریک دے رہے تھے۔ عالمی سیاسی منظر بدل رہا تھا۔ روس سوشلسٹ انقلاب کے بعد ایک نئی تحریک اور طاقت بن کر ابھر رہا تھا۔ چینی خواب سے بیدار ہو رہے تھے۔ سوشلزم نے ماؤزے تنگ اور چو این لائی جیسے قائدین پیدا کر دیئے تھے جو چینیوں کو آزادی و حریت کے لئے ابھار رہے تھے۔ برطانوی اور فرانسیسی مقبوضات اور نوآبادیات میں آزادی اور بیداری کی تحریکیں جنم لینے لگی تھیں۔ دنیائے انسانیت میں انسانوں نے اپنی بقا اور حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا وہ مغربی استعمار اور سامراج کے خلاف سر بلند کر رہے تھے۔

جنگ عظیم اول کی تباہ کاریوں سے نہ صرف یورپ چور چور ہوا تھا بلکہ ہندوستان بھی اپنی تباہ حالی اور بربادی کا ماتم کر رہا تھا۔ اس کے ہزاروں فرزند تاج برطانیہ کی حفاظت کے

لئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر چکے تھے لیکن انگریز حکمرانوں نے اپنی روایتی بد عہدی، بد قماشی، مطلب پرستی اور تعصب سے کام لے کر ہندوستانیوں کو اس وفاداری کا صلہ رولٹ ایکٹ کی صورت میں دیا- جلیانوالہ باغ امرتسر کا روح فرسا سانحہ پیش آیا- کتنا اچھا صلہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو دیا- اسی بنا پر تو کسی نے کہا ہے--

"سپاں دے پُتر مِتر نہ ہندے خواہ چھنیاں دودھ پلایے جی"

سانپوں کو جب بھی موقع ملے گا یہ آپ کو ڈس لیں گے بعینہٖ انگریز نے بھی وہی کردار ادا کیا اور اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستانیوں کا خون بے دریغ بہایا لیکن ہمارا ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا تھا کہ ہم پھر بھی انگریز ہی کے گن گاتے رہے-

بے شک ان اقدامات کا محرک یہ جذبہ تھا کہ ہندوستانیوں کو اپنے رعب و داب میں رکھا جائے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ برطانیہ بہت بڑی قوت ہے- اس کی آہنی گرفت بڑی مضبوط اور سخت ہے- لیکن حقیقت میں اس کی اپنی جابرانہ اقتدار کی عظیم دیوار میں دراڑیں پڑ چکی تھیں- اور وہ زوال و انحطاط کی طرف چل پڑا تھا- یہ الگ بات ہے کہ اتنی عظیم سلطنت کو ابھی تک محسوس نہیں ہوا تھا- وہ جونک کی طرح اپنی مقبوضات کا جو خون تقریباً ڈیڑھ دو سو سال سے چوس رہے تھے وہ اب لاغر و نحیف ہو چکی تھیں اور اس میں مزید انگریزوں کو پالنے کی قوت نہ رہی تھی- اس کے علاوہ مختلف انسان پرور قوتوں نے انسانی حقوق اور خودداری و عزتِ نفس کا جو پودا لگایا تھا ان کی مہک محکوم و مظلوم انسانوں کو نئی قوت و توانائی، حوصلہ و ہمت اور جوش و ولولہ عطا کر رہی تھی وہ انسان جو برطانیہ کے دفاع کے لئے (جس کا رقبہ پنجاب بھی کم تھا) ساری دنیا میں مارا مارا پھرا تھا وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر میں محنت و کاوش ایمانداری اور وفاداری سے اپنے ملک عزیز کے لئے کام کروں تو یقیناً آزادی و خوشحالی پا سکتا ہوں- اس جنگ نے ہندوستانیوں کو انگریز کا گھر دکھا دیا تھا وہ ان کی بودوماند سے آگاہ ہو گئے تھے اور انگریز کے رعب، داب اور عزت و توقیر میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی تھی جس کو سنبھالا دینے کے لئے انگریز نے رولٹ ایکٹ کا سہارا لیا لیکن

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں (اقبالؒ)

سر سید احمد خان نے علی گڑھ کی صورت میں جو پودا لگایا تھا وہ تن آور درخت بن چکا تھا۔ علی گڑھ کے فرزند ملک کے طول و عرض میں پھیل چکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم و تمدن سے آشنا کر رہے تھے، مسلمان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی بیدار ہو رہے تھے۔ تقسیم بنگال اور اس کی تنسیخ نے انہیں بہت بڑا دھچکا لگایا تھا۔ ہندو اور ہندو پریس کا چہرہ اور نصب العین ان کے سامنے آگیا تھا۔ جس کی بنا پر مسلمان بھی سیاسی طور پر فعال ہو گئے تھے۔ حالی کی مسدس اس زمانے میں پورے ملک میں گونج رہی تھی۔ شبلی نعمانی کی تصانیف ہندی مسلمانوں میں جوش و جذبہ اور عزم پیدا کر رہی تھیں۔ عبدالحلیم شرر اپنے ناولوں کے ذریعے مسلمانوں کو معاشرتی و اخلاقی برائیوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ خواجہ حسن نظامی مغل حکمرانوں کی بیگمات کے آنسو چن چن کر عبرت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ راشد الخیری مسلمان عورتوں کی زبوں حالی کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ اکبر الہ آبادی اپنے مزاح کے ذریعے انگریزی تہذیب و تمدن پر اپنا نشتر چلا رہے تھے۔ ادھر پنجاب میں علامہ اقبال خودی کے حُدی خواں بن کر مسلمانوں کو جرات و حوصلہ مندی کا سبق دے رہے تھے۔ عمل و حرکت، جدوجہد، محنت و لگن، عزم و ہمت اور عمل پیہم کا درس دے رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے ؎

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے!
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا
تمدن آفریں، خلاق آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہی سیپارا

خطاب بہ جوانانِ اسلام (بانگِ درا)

سیاست، ثقافت، صحافت اور ادب میں مسلمان پھر اپنے وجود کا کھل کر اظہار کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے "ہلال" اور "البلاغ"، مولانا ظفر علی خان کے اخبار "زمیندار" مولانا محمد علی جوہر کے "ہمدرد" اور "کامریڈ" نے ہندوستان کے طول و عرض میں ہلچل مچادی۔ یہ دور حکیم سعید کے سیکھنے، سمجھنے اور مشاہدے کا تھا۔ جس میں انہوں نے بہت سیکھا۔ اسی دور میں ہندوستان میں بڑی قد آور شخصیات سامنے آئیں۔ جنہوں نے سیاسی میدان میں نہایت اعلیٰ کردار ادا کیا۔ محمد علی جناح جو بعد میں قائداعظم محمد علی جناح ہوئے، گاندھی جی جو مہاتما کہلائے۔ گوکھلے، تورو جی، موتی لعل نہرو، جواہر لعل نہرو اور مسلمانوں میں ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان، حسرت موہانی اور دیگر کئی سیاسی شخصیات سامنے آئیں۔ حکیم سعید نے ان کے اخلاق و کردار اور سیاسی رویہ کو دیکھا اور ان سے اثر قبول کیا۔

یہ دور بڑا طوفانی اور انقلابی تھا۔ اسی دور کے آغاز میں ہندو مسلم اتحاد عروج پر پہنچا۔ مسلمانوں نے اس کے لئے خون تک کا نذرانہ پیش کیا۔ لیکن تیسری دہائی میں ہندو ہٹ دھرمی، عیاری و مکاری اور مسلمانوں پر حکمرانی کرنے کے خواب نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ نہرو رپورٹ نے ہندوؤں کا اصلی چہرہ دکھا دیا۔ مسلمانانِ ہند کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ وہ کانگریس سے ناامید ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی آخری کوشش کے طور پر پہلے اپنے چودہ نکات دیئے لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ پھر گول میز کانفرنسیں بلوانے کی جدوجہد کی۔ لیکن ہندو ہٹ دھرمی یہاں بھی آڑے آئی۔ ایسے حالات میں مسلمانوں نے اپنے محفوظ مستقبل کے لئے ایک نہایت نازک اور انقلابی فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے الگ ہو جائیں۔ اقبال نے اپنے الٰہ آباد کے خطاب میں اس کا بیج بویا۔ چوہدری

رحمت علی نے اس کا نام رکھا۔ مسلمانانِ ہند اپنے مستقبل کی حفاظت کے لئے اس راہ پر غور و فکر کرنے لگے۔

ادھر عالمی منظر ایک نئی صورت حال پیش کرنے لگا۔ نئے نئے فلسفوں اور نظریات کا ظہور ہونے لگا۔ مارکسزم، فاشزم، نازی ازم، سرمایہ داری جمہوریت اور آمریت ایک خاص نظریہ اور سوچ کے تحت سامنے آئے۔ نفسیات میں فرائڈ اور ایڈلر اور سائنس میں آئن سٹائن نے شہرت پائی۔ طب میں کئی نئے سائنسی اور طبی انکشافات ہوئے۔ پرانے فلسفوں، نظریوں اور خیالات کی جگہ نئے نئے فلسفے، نظریئے اور خیالات سامنے آنے لگے۔ جن کے اندر قدرتی اور فطرتی طور پر تصادم ناگزیر ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں دوسری عالمگیر جنگ ہوئی۔ مغربی افکار کے تحت یہ جمہوریت، نازی ازم اور فاشزم کے درمیان جنگ تھی۔ یہ بڑی تباہ کن جنگ تھی جس میں بے شمار انسان لقمۂ اجل بن گئے۔ کروڑوں کی جائیدادیں تباہ برباد ہوئیں۔ فاشزم اور نازی ازم کا خاتمہ ہوا۔ جرمنی کے حصے بخرے ہوئے۔ جاپان پر امریکہ نے ایٹم بم گرائے اور وحشت اور انسان کش رجحانات کا مظاہرہ کیا۔ اتحادیوں کو فتح تو ہوئی لیکن برطانیہ سیاسی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گیا۔ امریکہ ایک سپر پاور کے طور پر ابھرا۔

اسی دوران مسلمانانِ ہند نے ایک بہت بڑا انقلابی اور سیاسی فیصلہ کیا۔ قائداعظم کی قیادت میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ جس میں پاکستان کا مطالبہ کر دیا گیا یعنی مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ۔

ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات ہونے لگے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی کشمکش میں اضافہ ہوا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے جو انگریزوں کے کنٹرول سے باہر ہوتے گئے۔ ایسے میں ہندوستان دولخت ہوا۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک "پاکستان" کا ظہور ہوا۔ جس کے بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناح تھے۔ ۱۵ اگست کو بھارت آزاد ہوا۔

اس نوزائیدہ ملک کو معاشی طور پر تباہ کرنے کے لئے ہندوؤں اور انگریزوں نے مل کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ٹھانی۔ مسلم مہاجرین کو لوٹا گیا۔ ہزاروں عصمتیں برباد ہوئیں،

خون کی ندیاں بہائی گئیں- واقعی یہ ایک آگ اور خون کا دریا تھا جس کو مسلم مہاجرین نے عبور کیا- دِتی جو عالم میں انتخاب تھا وہاں مسلمانوں کو زندہ جلایا گیا اور وہاں ان کا جینا اجیرن کر دیا گیا-

یہ سب واقعات حکیم محمد سعید نے بچشم خود دیکھے- آسائیشوں بھری زندگی بسر کرنے کے باوجود وہ اپنے گردو پیش کے واقعات سے بے خبر نہ تھے- جن حالات میں ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آیا- حکیم محمد سعید کو اس ملک سے دلچسپی تھی- وہ اس میں کشش محسوس کرتے تھے- اس کے حصول کی جدوجہد میں انہوں نے حصہ لیا تھا- ایک نئی تاریخ جو مسلمانوں کے خون سے رقم ہوئی ان کے سامنے تھی- ایک نیا ملک مسلمانوں کی عظیم قربانیوں، جدوجہد اور قائداعظم کی بے مثل قیادت کے طفیل وجود میں آچکا تھا-

پاکستان کو وجود میں آئے ابھی ۵ ماہ ہی گزرے تھے کہ حکیم محمد سعید نے ہندوستان کی شہریت ختم کرنے اور پاکستانی شہریت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا- اس کی تین وجوہ ہوئیں جو حکیم محمد سعید کے بقول کچھ اس طرح ہیں :-

۱- "میں نے اپنے حال پر جب غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں ہندوستان کی حکومت کا دل سے احترام نہیں کر سکوں گا- لہٰذا میری دیانت اور امانت کا یہی تقاضا ہے کہ مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا چاہیے-"

۲- وقت گزرتا گیا بھائی جان محترم کے بیٹے عبدالمعید اور حماد احمد بڑے ہوتے رہے- ان نہایت اچھے بھتیجوں کے دل میں ضرور یہ خیال آیا کہ یہ چچا جان کون بزرگ ہیں جو سارے کاروبار پر حاوی اور قابض ہیں- ان کی جائیداد تو ابا جان سے بھی زیادہ ہے-- جس دن میں نے اپنے بھتیجوں کے دلوں میں اس کانٹے کو محسوس کیا میں نے ایک تاریخی فیصلہ کر لیا--- میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمدرد خاندان میں چچا بھتیجوں میں لڑائی کا کوئی بھی امکان ہو- عزتِ خاندان نے مجھے راہِ ہجرت دکھائی- میں نے اسے سنت کے طور پر قبول کر لیا- ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو صبح دس بجے میں نے ہندوستان کو چھوڑ دیا-

۳- ستمبر ۱۹۴۷ء میں دہلی میں جو قتلِ عام ہوا اس نے ۱۸۵۷ء کی

یادیں تازہ کردیں-۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے قلبِ مسلم کو گولیوں سے چھید اتھا-خونی دروازے پر آج بھی لوگوں کو خون کے دھبے نظر آجاتے ہیں-۱۹۴۷ء میں ہندوؤں اور سکھوں نے قتل مسلم کا بازار گرم کردیا-۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کی شام کو ہر طرف ہو کا عالم تھا راشٹریہ سیوک سنگ کے جوان چھریاں تیز کئے سکھ کرپانیں لئے پھر رہے تھے-حکیم محمد سعید اور ان کے بھائی حکیم محمد یحیٰی، محمد الیاس اور سید معروف علی چار آدمی ہمدرد میں تھے اور ہمدرد کی حفاظت کررہے تھے-ان میں سے دو سوتے اور دو پہرہ دیتے-دہلی کے اس قتل عام میں ان کی جوانمردی اور جرات نے ہمدرد کو محفوظ رکھا-لیکن حکیم محمد سعید نے فیصلہ کرلیا کہ وہ پاکستان جاکر قسمت آزمائیں گے-

بچپن اور تعلیم و تربیت

آپ کی عمر کوئی تین برس تھی کہ ایک دن جگت چچی صاحبہ نے آپ کی والدہ محترمہ سے کہا" رابعہ بہن! میری خواہش ہے کہ تم اس بچے کو قرآن مجید پڑھنے کے لئے میرے یہاں بھیجنا شروع کر دو۔ میں اس کی دیکھ بھال کا پورا پورا خیال رکھوں گی۔" آپ کی والدہ محترمہ شاید اسی وقت کا انتظار کر رہی تھیں انھوں نے فوراً حامی بھر لی۔ آپ اپنے ماموں فضل صاحب کے کندھے پر سوار ہو کر حوض قاضی کے علاقے میں حویلی رضیہ بیگم پہنچ گئے۔ حکیم محمد سعید کے مطابق یہ ۱۹۲۴ء کے آغاز کی بات ہے۔ا؎

اگلے دن رسم بسم اللہ میں مشہور عالم دین مولانا احمد سعید شریک ہوئے۔ بر سبیل تذکرہ مولانا موصوف ہی نے آپ کا نام "محمد سعید" رکھا تھا۔ اس رشتے سے بھی مولانا احمد سعید حکیم صاحب کو بڑے عزیز تھے وہ بر صغیر کی اہم علمی اور سیاسی شخصیت تھے۔ وہ جمعیت العلمائے ہند کے جنرل سیکریٹری تھے۔ مولانا نے تین برس کے بچے کو سورۃ علق کی پہلی آیت پڑھائی جو مستقبل کے عظیم انسان نے بڑی مشکل سے پڑھی۔ یوں تعلیم قرآن کا آغاز ہو گیا۔ ایک سال بیت گیا آپ نے پارہ عم کی بہت سی آیات حفظ کر لیں۔ چچی جان نے ہی نماز کا طریقہ سکھایا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی آپ کی چچی صاحبہ اور چچا جان غازی تھے۔ آپ ان کو نماز پڑھتے دیکھا کرتے تھے اور بعض اوقات ان کے ساتھ سجدے بھی کیا کرتے تھے پھر آپ کا گھریلو ماحول بھی نیک اور پاک تھا۔ آپ اپنی والدہ محترمہ، بہنوں اور بھائیوں کو نماز ادا کرتے دیکھتے تھے۔ اسی تعلیم کے دوران ہی ان کے چچا نے جماعت بندی کر دی جس کے آپ امام بنے اور دیگر بچے آپ کے مقتدی بن گئے۔ آپ نے ان کو عصر کی نماز پڑھائی تھی۔۲؎

پانچ برس کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ختم کر لیا-ایک نیک اور پارسا گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی- "آمین" کی تقریب بھی بڑے شاندار طریقے سے منائی گئی- جس سے آپ میں خود اعتمادی اور مسرت و شادمانی کے جذبات پیدا ہوئے- خویش و اقارب اس بات پر مسرور و شاداں تھے کہ بچے نے اس عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا ہے-والدہ محترمہ نے اس پر مسرت موقع پر فرمایا "اب قرآن حفظ کرنے کی باری ہے- میرا بیٹا اپنے والد محترم کے انداز پر حافظ قرآن بنے گا-" ۳-

یہ بات بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آپ کے والد محترم عبدالمجید حافظ قرآن تھے- اور رمضان المبارک میں تراویح کے دوران قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور کئی ایک مساجد میں شبیوں کے دوران دس دس سپارے پڑھا کرتے تھے-اسی بنا پر انہیں بڑی شہرت و مقبولیت اور عزت و توقیر حاصل تھی-وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے خاندان کے ایک بزرگ اخوند جی کے مرید تھے-وہ

ایک دیانتدار تاجر تھے ان کی دیانت و امانت کا شہرہ عام تھا-

آپ کے چچا جان آپ کو حوض قاضی کی اونچی مسجد---- مسجد گاڑی بان میں لے گئے- حفظ قرآن کے لئے انہیں حافظ سید عمر دراز علی کے سپرد کر دیا گیا- یہ مدرسہ تعلیم القرآن تھا- سید عمر دراز علی ذرا سخت مزاج اور وقت کے پابند تھے-اسی مدرسے میں آپ کو انسانی امراض کی شدت کا احساس ہوا- سید صاحب کو مرگی کا دورہ پڑتا تھا-استاد گرامی پر جب مرض کا حملہ ہوتا تو اکثر شاگرد دل ہی دل میں خوش ہوتے ان کے ذہن میں آنے والی چھٹی کا تصور ہوتا-لیکن آپ بچپن میں ہی جب اچھے بھلے انسان کو عضوِ معطل بنے ہوئے دیکھتے تو سخت مضطرب ہو جاتے- قدرت اپنے نہج پر بچے کی ذہنی تربیت کر رہی تھی- آپ نے سید موصوف کی نگرانی میں حفظ قرآن کی منازل طے کرنا شروع کیں-ایک برس ہی گزرا تھا کہ آپ نے دس پارے حفظ کر لئے- ۱۹۲۷ء میں آپ نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اس زمانہ میں حج کرنا کوئی آسان کام نہ تھا- آپ بحری جہاز ایس-ایس علوی میں عازم حرمین شریفین ہوئے- آپ نے اپنی اچھی عادات اور حسن

کار کردگی سے انگریز کپتان کا دل موہ لیا۔ اور بقول ان کے اسی سفر حج میں آپ نے جہاز کا موڑنا سیکھ لیا۔ ۴۴؎

اس سفر میں آپ کے خالو حافظ محترم محمد زکریا بھی آپ کے ساتھ تھے حفظ قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ حج سے واپسی پر آپ ایس ایس حسین میں سوار ہوئے۔ راستے میں جہاز کا پنکھا ٹوٹ گیا۔ جس کی بنا پر جہاز ستائیس دن تک پانی میں کھڑا رہا۔ جب پنکھا وہاں پہنچا تو آپ کا جہاز وہاں سے روانہ ہوا۔ اور کراچی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ یہ سفر حج چھ ماہ میں ختم ہوا۔ آپ نے اس دوران میں آدھا قرآن حفظ کر لیا۔

"آٹھ برس کی عمر میں ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ ابھی بچے پر روزہ شرعاً فرض نہ ہوا تھا لیکن فرض کی ادائیگی اور چیز ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر کسی کام کا سرانجام دینا اور چیز ہے ۔ رابعہ بیگم نے اپنے لخت جگر کے پہلے روزے کا اعلان کر دیا۔ عزیز و اقارب نے اس کی مخالفت کی۔ گرمی کی شدت کا احساس دلایا، بچے کی کم سنی کا ذکر آیا لیکن مہربان ماں کا ایک ہی جواب تھا" سعید کو خیر و شر میں امتیاز کا احساس جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی بہتر ہے، بچے کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ نیکی کا راستہ پھولوں بھرا نہیں ہوتا۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(اقبالؔ)

پہلی سحری کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ سعید بچپن میں خوش خوراک بھی تھے ہر شے وافر مقدار میں تھی۔ غسل کے بعد نئے کپڑے پہنائے گئے، گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے، سحری کے بعد بابو فضل دین (بڑے ماموں) ہونہار بھانجے کو مسجد میں لے گئے جہاں نمازیوں نے دعاؤں سے نوازا۔ طلوع آفتاب کے بعد تمازت میں شدت آنے لگی اور پیاس کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ ادھر بچے نے بے چینی کا اظہار کیا ادھر بڑی بہنوں نے روزے دار کی نگرانی شروع کر دی۔ کلی کے بہانے حلق تر کرنے والا منصوبہ بھی فیل ہو گیا۔ بچے نے جتنا پانی منہ میں ڈالا باجی نے ناپ تول کر اتنا ہی واپس مانگا اور شفقت بھری مسکراہٹ

سے نوازتے ہوئے صبر و تحمل کی تلقین کی- لیکن رو رعایت والی بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- تھوڑی دیر کے بعد افطاری کا انتظام ہونے لگا- دیگیں چڑھائی جانے لگیں- کچھ دیر کو تو بچے کا دل بہل گیا- گرمی کے طویل دنوں کا روزہ تو بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے- ۸ برس کے بچے کی اوقات ہی کیا تھی- ۴ بجے کے قریب بچے نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے- بڑی ہمشیرہ کا دل پسیج گیا مگر ممتا نے حفاظتی اقدامات کی تلقین پر اکتفا کیا- بہنیں دوپٹے بھگو بھگو کر بھائی کو اوڑھانے لگیں کوئی پنکھا ہلا رہا تو کوئی تسلیاں دے رہا ہے- "جان من اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے" ان طفل تسلیوں میں افطاری کا اہتمام ہونے لگا- یہ سامان دیکھ کر بچے کی ڈھارس بندھی-، پھلوں پر برف توڑ توڑ کر ڈالی جانے لگی- تربوز اور خربوزے کی قاشیں تیار ہونے لگیں- سنگترے کی پھانکوں سے بیج نکالے گئے، ان کو طشتریوں میں سجا دیا گیا- ان پر ہلکا سا نمک اور باریک سفید چینی چھڑکی گئی پھر ان تراشیدہ قاشوں پر کوٹی ہوئی برف کی تہہ جما دی گئی----- یہ سارا اہتمام ننھے روزے دار کے لئے ہو رہا تھا- اس تقریب میں جگت چچی کے مدرسے کے سب طلبا شریک تھے ان کے علاوہ یتیم خانے کے دو سو بچے بھی مدعو تھے سب کی نگاہوں کا مرکز محمد سعید تھے- اتنی نگاہوں کا مرکز بننے کے بعد روزے کی شدت کا احساس ہی جاتا رہا- افطاری کے بعد حاصل ہونے والا اطمینانِ قلب اور کامرانی کا نشہ الگ تھا- یہ ایسا نشہ تھا جس میں حکیم سعید عمر بھر مبتلا رہے- فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے رکھنا شہید پاکستان کا تادم آخر معمول رہا-" ۵-

جب آپ ۹ برس کے ہوئے تو قرآن مجید حفظ کر لیا- آپ کو بڑی شہرت ملی کہ رابعہ کا چھوٹا بیٹا حافظ ہو گیا ہے اور حاجی بھی- اب حفظ قرآن کے عملی مظاہرے کا وقت آیا تو فطری طور پر بچے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی- بات سمجھ میں آنے والی تھی- بالغ مقتدیوں کی امامت کرانا تھی ان میں اساتذہ بھی تھے- مسجد کے امام مولانا عبدالحفیظ کو بچے کی امامت پر اعتراض تھا- بہر حال اسی مسجد حوض قاضی میں ۲۷ رمضان المبارک کو ختم قرآن کی، تقریب کا اہتمام ہوا- مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی- کئی بچے مسجد کے حوض میں گر گئے جن کو مشکل سے نکالا گیا- تانبے کی طشتریوں میں شیرینی تقسیم ہوئی- رواج کے

مطابق یہ طشتریاں واپس نہ لی گئیں- حکیم سعید نے قرأت کا آغاز کیا-الحمد سے والناس تک پانچ بار لقمہ دینے کی ضرورت پڑی- سامع کے فرائض آپ کے ایک ہم جماعت صغیر احمد نے انجام دیئے-وہ ایک پٹھان لڑکا تھاجو عمر میں محمد سعید سے بڑا تھااس روز اس لڑکے سے اندازے کی غلطی سر زرد ہو گئی- ہر لقمہ دینے میں اس نے جلدبازی سے کام لیا-ادھر امام کا خیال تھا کہ اگر وہ تحمل کا مظاہرہ کرتا تو لقمے کی ضرورت ہی نہ پڑتی-البتہ یہ اتنا بڑا اختلاف نہ تھا جو فساد کا باعث بنتا-لیکن یہ آپ کے بچپن کا دور تھا- قدم قدم پر عملی سبق کی ضرورت تھی- حکیم عبدالحمید کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمک رہا تھا- وہ قربان ہو جانے والی نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہے تھے یہ وہ بھائی ہے جس نے سعید کو حکیم، حافظ، حاجی محمد سعید بنانے میں دنیا کا ہر عیش و آرام تج دیا تھا-اس خوشی کے موقع پر ننھے امام سے زبردست غلطی سر زرد ہوئی-وہ بڑی سنجیدگی سے صغیر احمد سامع کے پاس جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "کیوں جناب! یہ کیا حرکت تھی؟ کونسی حرکت؟ صغیر احمد نے پوچھا-بڑا شوق ہے آپکو لقمے دینے کا"اس کے ساتھ ہی زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا- مسجد میں سناٹا چھا گیا-اکثر نمازیوں نے اسے بچے کی شرارت قرار دیا-لیکن حکیم عبدالحمید کی دور رس نگاہیں عمارت کی بنیاد پر تھیں-انہوں نے بھائی کو سرزنش کی اور فرمایا:

"کسی کو چانٹا مارنا پسندیدہ فعل ہر گز قرار نہیں دیا جا سکتا- یہ دل آزاری کے زمرے میں آتا ہے-اور وہ قرآن جو تم نے ابھی سنایا ہے دل آزاری سے اجتناب کی تلقین فرماتا ہے-اس کی فوراً تلافی کرو-"

حافظ سعید کا چہرہ شرمندگی سے عرق آلود ہو گیا-شدت جذبات سے آنکھیں بھر آئیں، لپک کر اپنے دوست سامع کو گلے لگالیا اور معافی کے خواستگار ہوئے-اس واقعہ سے آپ نے ایسا سبق سیکھا کہ عمر بھر جذبات کی رو میں بہہ کر غلط اقدام سے اجتناب برتا-

دنیاوی تعلیم

قرآن مجید حفظ کر لینے کے بعد باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو جناب ممتاز حسین اتالیق مقرر ہوئے لیکن انہیں خود اپنی تعلیم مکمل کرنے کی بڑی آرزو تھی وہ بی ٹی کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے زیادہ وقت نہ دیا۔ البتہ آپ نے انہی سے اردو سیکھی۔ آپ کے دوسرے استاد جناب اقبال حسین ایم اے تھے۔ انہوں نے آپ کو انگریزی سکھائی۔ انہوں نے بڑی دلچسپی اور محنت سے آپ کو پڑھایا۔ اس ضمن میں حکیم سعید خود بتاتے ہیں :۔

"اس کے بعد فارسی اور عربی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ساتھ ہی انگریزی کی تعلیم بھی شروع ہوئی۔ انگریز کی حکومت تھی اس لئے انگریزی کا چلن تھا۔ یہی کہنا چاہیئے لازمی تھی۔ ان دنوں انگریز کا دباؤ تھا۔ اب پاکستان میں امریکہ کا دباؤ ہے اس دباؤ کی تائید وہ کرتے ہیں جنہیں اسلامی ثقافت اور تہذیب و تمدن کا کوئی درد نہیں یا وہ لوگ کرتے ہیں جو قومی زبان سے نفرت کرتے ہیں اور مغرب کے کاسہ لیس ہیں"۔

"ہاں میرے استادوں میں ماسٹر ممتاز حسین تھے پھر ماسٹر اقبال حسین ان دونوں نے انگریزی کی تعلیم دی۔ یہ دونوں بعد میں جماعت اسلامی کے سرگرم رکن بنے۔ حکیم اقبال صاحب تو قائم مقام امیر بھی رہے۔ عربی اور فارسی حضرت مولانا قاضی سجاد صاحب نے پڑھائی بعد میں انگریزی بولنے کی مشق محترمہ ایئر مارشل میک ڈونلڈ نے کرائی میری سیکریٹری عزیزہ الزبتھ بس تھیں ان کی وجہ سے انگریزی پر عبور حاصل ہو گیا۔ سبحان اللہ کیا اساتذہ تھے۔ دل سے پڑھایا کرتے تھے سچے استاد تھے۔ طالب علم سے محبت کرتے تھے۔ فروغ علم پر فخر کرتے تھے"۔۶۔

ان اساتذہ نے آپ کے اندر اردو، عربی، فارسی اور انگریزی کا ملکہ پیدا کر دیا۔اب وہ چودہ برس کے ہو چکے تھے۔ان کا طبعی رجحان صحافت کی طرف تھا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تحریک آزادی کے دوران مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کے اخبارات ہمدرد، کامریڈ، الہلال اور البلاغ اور زمیندار کا بڑا نام تھا اور انہوں نے بیداریٔ قوم میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا اور قومی خدمت کے جذبے سے صحافت ایک باوقار اور عزت والا پیشہ تصور کیا جاتا تھا۔اس بنا پر حکیم سعید کا رجحان صحافت کی طرف ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ آیان سٹیفن سن سے آپ کے گہرے تعلقات تھے وہ انگریزی اخبار ''اسٹیٹسمین'' کے ایڈیٹر تھے۔ یہ اکثر حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے مزار کے پاس بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفت وشنید کرتے رہتے تھے۔اس طرح آپ صحافی بننے کا خواب دیکھنے لگے تھے۔

اس کے علاوہ آپ کے کئی اور مشاغل بھی تھے (جن کا ہم اگلے باب میں تذکرہ کرنے والے ہیں) حکیم سعید صاحب نے لکھا ہے کہ لڑکپن اور نوجوانی میں وہ کھلنڈرے تھے۔ مرغ بازی، کبوتر بازی، گھڑ سواری، موٹر سائیکل دوڑانا، گلی ڈنڈا کھیلنا، کشتی رانی، شطرنج، کیرم، فٹ بال، بیڈمنٹن، تاش، پہلوانی، دنگلوں میں شرکت، کسی کام میں وہ بند نہ تھے''۔[۲۷]

اس کے ساتھ ہی انہیں پڑھنے کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ جرائد ورسائل میں ''معارف'' (اعظم گڑھ) ''نگار'' (نیاز فتح پوری، مدیر، جو بعد میں آپ کے دوست بن گئے) منادی (مدیر: خواجہ حسن نظامی، یہ بھی بعد میں آپ کے دوست ہوئے) ''ریاست'' (مدیر: دیوان سنگھ مفتون) ''انقلاب'' (مدیر: مولانا عبدالمجید سالک) مدینہ (بجنور) ''دین ودنیا'' (مدیر: مفتی شوکت فہمی) آپ کے زیر مطالعہ رہتے ان کے علاوہ بچوں کے رسائل پھول (لاہور) غنچہ (بجنور) پیام تعلیم دہلی بھی پڑھا کرتے تھے۔انہوں نے سب سے پہلی کتاب سجاد حیدر یلدرم کی ''الاستدال'' دلی کے کتب خانہ علم وادب سے خریدی تھی۔آپ بتاتے ہیں کہ ''شوکت تھانوی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو میں نے پڑھی نہ ہو، مولانا ابوالکلام آزاد کے مضامین سے طالب علمی کے زمانے میں دلچسپی پیدا ہوئی وہ میں نے پڑھے بھی تھے اور

سمجھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ بھی پسندیدہ مصنف رہے۔ ملا رموزی کی گلابی اردو میں بھی مجھے دلچسپی تھی۔ خواجہ حسن نظامی کی ہر کتاب پڑھی' پطرس کے مضامین بھی پسندیدہ کتاب رہی ہے۔ افسانے بھی پڑھتا تھا لیکن بعد میں دلچسپی کم ہو گئی۔ان کی مختلف دلچسپیاں جاری تھیں کہ ایک دن بڑے بھائی جان حکیم عبدالحمید نے سوال کیا:

میاں سعید! اب فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے"

"محترم بھائی جان !کیا فیصلہ ؟

"اب کھیلنا ہے یا مزید کچھ پڑھ لکھ کر "ہمدرد" کے لئے کام کرنا ہے"

"میں سوچ کر جواب دوں گا"

پھر میں نے سوچ لیا، فیصلہ کر لیا کہ تمام کھیل کود فی الفور بند۔

حکیم سعید کہتے ہیں کہ "یہ میری زندگی کا ایک اہم ترین فیصلہ تھا۔اس وقت میری عمر چودہ برس تھی۔" وہ طبی تعلیم کے حصول کے لئے طبیہ کالج دہلی گئے جسے مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان نے قائم کیا تھا۔داخلے کے لئے ان کی عمر کم تھی لہٰذا داخلہ دینے سے انکار کر دیا گیا۔ان کے بھائی جان نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور دلیل دی کہ امتحان لے لیں۔ اس وقت کالج کے رجسٹرار عبدالحفیظ تھے۔انہوں نے اردو، انگریزی، عربی اور فارسی کا امتحان لیا۔اچھے نتائج نکلے اور کچھ عبدالحفیظ صاحب نے دلچسپی لی چنانچہ آپ کو داخلہ مل گیا۔یہاں ایک اور بات واضح کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جب پاکستان میں ہمدرد طبی کالج کا اجرا ہوا تو جہاں محترمہ فاطمہ جناح نے اس کا افتتاح کیا وہاں حکیم عبدالحفیظ اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ طبیہ کالج دہلی کے اساتذہ جو اس وقت آپ کے اتالیق تھے وہ یہاں پر استاد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر سید ظفریاب حسین، حکیم خواجہ رضوان احمد، حکیم نذیر الدین احمد اور حکیم مولوی فضل الرحمن کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۳۹ء میں حکیم محمد سعید نے طبیہ کالج سے اپنی تعلیم مکمل کر لی اب وہ بقول خواجہ حسن نظامی "تھری ایچ" محمد سعید بن چکے تھے یعنی ایک ایچ سے حاجی دوسرے ایچ سے حکیم اور تیسرے ایچ سے حافظ قرآن!

زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کے ہندوستان کی علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات سے تعارف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا آگے چل کر بر صغیر پاک و ہند کی تقریباً تمام اہم شخصیات کی میزبانی کا شرف بھی آپ کو حاصل رہا۔

آپ کی شخصیت کی تعمیر میں اساتذہ، کتب اور بر صغیر کی اہم شخصیات نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ سب سے اہم کردار تو حکیم عبدالحمید صاحب نے ادا کیا ہے، جو آپ کے بھائی اور آئیڈیل ہیں۔!

حوالہ جات

۱۔ "آواز اخلاق" دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۵
۲۔ ایضاً صفحہ ۵
۳۔ ایضاً صفحہ ۶
۴۔ ایضاً صفحہ ۶
۵۔ قومی ڈائجسٹ جنوری ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۴-۲۳
۶۔ کتاب سعید از ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، صفحہ ۴۴۲
۷۔ ایضاً صفحہ ۱۵۷

لڑکپن کی شرارتیں اور مشاغل

حکیم سعید کہتے ہیں کہ وہ لڑکپن میں کھلنڈرے اور شرارتی تھے بلکہ ان کا یہ دور شرافت اور شرارت دونوں کا مجموعہ تھا- انہوں نے پڑھنے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی اور شرارت کوئی چھوڑی نہیں-اس باب کی تیاری کے لئے حکیم سعید کی خود نوشتہ "بچپن کی شرارتیں"، "کتاب سعید"، ماہنامہ ہمدرد "نونہال" جنوری ۱۹۹۹ء میں غلام حسین میمن کا مضمون "حکیم صاحب کا بچپن" اور ماہنامہ قومی ڈائجسٹ جنوری ۱۹۹۹ء سے استفادہ کیا گیا ہے- حکیم صاحب کی خود نوشتہ "بچپن کی شرارتیں" زیادہ تفصیلی ہیں-البتہ ہم نے اختصار سے کام لیا ہے اور بار بار حوالہ سے اجتناب برتا ہے-ان کے علاوہ ایک کتاب "وہ بھی کیا دن تھے" بھی پیش نظر رہی ہے- جس میں حکیم محمد سعید نے اپنے بچپن کی یادوں کو جمع کیا ہے-یہ آپ کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جسے مسعود احمد برکاتی نے مرتب کیا ہے- یہ چونسٹھ صفحات کی مختصر مگر جامع کتاب ہے-

حکیم محمد سعید کا بچپن سخت مذہبی ماحول میں بسر ہوا- نماز روزے کی پابندی، حفظ قرآن، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر عزیزو اقارب کے ساتھ حاضری-بزرگان دین اور علماء کی محفلوں میں اٹھنا بیٹھنا-اس پر بیدار ذہن کی مالک مادر ہمدرد کی عقابی نگاہِ پرورش کا یہ انداز بڑے نصیب کی بات ہے-ان تمام باتوں کے باوجود حکیم محمد سعید بچپن میں بڑے شرارتی اور ہاتھ چلا جانے والے تھے- ہر شرارتی بچہ بنیادی طور پر ذہین وفطین ہوتا ہے- کند ذہن اور غبی بچے اگر شرارت کریں گے بھی تو مار پٹائی ان کا مقدر بن جاتی ہے- لہٰذا وہ اس میدان میں بھی پیچھے ہی رہتے ہیں- قمر صدیقی مرحوم کا ایک مشہور شعر ہے-

بھی پیچھے ہی رہتے ہیں- قمر صدیقی مرحوم کا ایک مشہور شعر ہے ؂

افلاس نے بچوں کو بھی سنجیدگی بخشی

سہمے ہوئے رہتے ہیں شرارت نہیں کرتے

گویا مفلسی بھی سب بہار کھودیتی ہے- حکیم محمد سعید کی یہ خوش نصیبی تھی کہ ان کا بچپن افلاس میں نہیں گزرا اور پھر انہیں بے لوث رہنمائی کرنے والے میسر آئے جن میں بڑے بھائی عبدالحمید اور مادر ہمدرد تو سر فہرست ہیں ان کے علاوہ ایک خاتون بی بی قطبن کا کردار بھی قابل ذکر ہے- یہ خاتون رابعہ بیگم (والدہ سعید) کی سہیلی اور منہ بولی بہن تھیں ان کی رہائش خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب مہرولی میں تھی- آپ کے بھائی حکیم عبدالوحید کہ جو دق کے مریض تھے حکیم امجد علی خان نے تبدیلی آب وہوا کا مشورہ دیا تو حکیم سعید کا خاندان عارضی طور پر مہرولی میں منتقل ہوا- اس زمانے میں یہاں آبادی کم اور درخت زیادہ تھے جس کی بنا پر فضا صحت کے لئے سود مند تھی- یہاں ان کا قیام بی بی قطبن کے گھر میں ہی ہوا- رابعہ اور قطبن کی دوستی نہایت گہری تھی- اس خاتون نے سعید کو اپنا دودھ بھی پلایا- اس طرح قطبن کا بیٹا رمضانی، سعید کا دودھ شریک بھائی تھا- جب بھی ان خاتون کا ذکر آتا تو آپ کا سر احترام سے جھک جاتا وہ اپنے بچپن کے اس سنہری دور میں کھو جاتے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکل جاتا "وہ بھی کیا دن تھے؟" یہی فکر اور جذبہ ان کی اس کتاب کا عنوان بنا-

دلی طبیہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے حکیم سعید نے پہلوانی کبڈی، فٹ بال، بیڈ منٹن، شطرنج، کیرم بورڈ، کشتی رانی، مرغ بانی، اور کبوتربازی جیسے مشاغل اپنائے- گلزار جاوید مدیر، "چہار سو" نے حکیم محمد سعید نمبر کے لئے اپنے انٹرویو میں ان مشاغل کو غیر سنجیدہ قرار دیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"مجھے حیرت ہے کہ آپ کشتی رانی پہلوانی شطرنج اور بیڈ منٹن کو غیر سنجیدہ قرار دے رہے ہیں- جناب یہ ذرا زیادتی ہے- میری ورزش کے میدان، ہاکنگ، اور فٹ بال رہے ہیں- آخر مشہور زمانہ محمڈن اسپورٹنگ یونین سے رشتہ رہا- شملہ کے مشہور گراونڈ کلین

میں میچ کھیلا گیا آپ انہیں بھی غیر سنجیدہ کہیں گے ؟اور ہاں گاما پہلوان کیا غیر سنجیدہ پہلوان تھے۔پاکستانی ایک بد قسمت قوم ہے جو اپنے نیشنل ہیرو کو فراموش کر چکی ہے۔اور دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور انسان کو بھلا بیٹھی ہے۔سیاست میں تو آپ نے اپنے ہر ہیرو کو بد نام کر ڈالا ہے حتیٰ کہ کسی درسی اور نصابی کتاب میں ان ہیروں کا نام نہیں لکھا جا سکتا۔مگر گاما (غلام محمد) تو عظمت وطن تھے۔اور رفعت عالم تھے میرا اور گاما کا رشتہ آپ کے نزدیک غیر سنجیدہ ہے۔آپ کے نزدیک گلی ڈنڈا اور کرکٹ میں کیا فرق ہے۔اگر کرکٹ خوب ہے تو پھر گلی ڈنڈا بھی ناخوب نہیں ہے۔کبڈی تو ہمارا شاندار کھیل ہے۔ہر گز غیر سنجیدہ نہیں ہے۔مرغ لڑانا اور کبوتر بازی میرے نزدیک غیر سنجیدہ نہیں ہیں کم از کم میں نے اس سے فتح و شکست کے عنوانات کو جانا ہے ان سب حرکات کے باوجود میں نے علم و حکمت سے اپنا رشتہ قائم کیا۔بارہ اور تیرہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی پڑھ لکھ سکتا تھا۔پھر انیس سال کی عمر میں طبیہ کالج دہلی سے فراغت طلبی حاصل کر لی۔"

آگے بڑھنا اپنا راستہ بنانا، مشکل کو زیر کرنا ان کی طبیعت کا خاصا تھا۔اسی بنا پر انھوں نے کشتی اور پہلوانی کی۔موت کے کنوئیں میں موٹر سائکل چلانے کا مظاہرہ کیا یہ سب چیزیں جد و جہد کا جذبہ پیدا کرنے والی ہیں۔عظمت و رفعت کی راہ پر چلانے والی ہیں۔

حکیم محمد سعید کو پہلوانی کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ابھی آپ دس گیارہ برس کے تھے کہ استاد ماہ رخ کے اکھاڑے کا رخ کیا۔اکھاڑے کی مٹی نے فصیلِ جان سے رشتہ استوار کیا تو چند ہی دنوں میں آپ کشتی کے قابل ہو گئے۔استاد نے چند داؤ رواں کرنے کے بعد باقاعدہ چھیٹری پر لگا دیا۔بغلیں بھرنے اور ملتانی مارنے کے رموز سے آگاہ کیا۔ہمسک کا صحیح انداز ذہن نشین کرایا اور سعید جلد ہی پھلکا اڑا دینے والا پٹھہ بن گیا۔استاد ماہ رخ بیگ نے ایک دنگل میں شاگرد رشید کو کئی گنا بڑے پہلوان سے لڑا دیا۔یہ پاؤ سیر کا مقابلہ تھا لیکن پہلوانی زبان میں ماہ رخ کا پٹھہ اصیل بوٹی ثابت ہوا۔سعید اس راز سے آگاہ تھے کہ پہلوانی طاقت کے دانش مندانہ استعمال کا نام ہے۔یہ مقابلہ برابر چھڑا دیا گیا۔اسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو حکیم سعید کی سوچ کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ایسی سوچ جس کی حد آسمان کی

بلندیوں سے بھی ارفع ہوتی ہے۔ اسی زمانے میں رستم زماں، گاما پہلوان کی دہلی میں آمد ہوئی تو اس وقت آپ گیارہ برس کے تھے۔ پہلوانی کا شوق عروج پر تھا۔ گاما سے ملاقات ہوئی آپ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ رستم زماں کو چیلنج کر دیا۔ "پہلوان جی! میں آپ سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں" رستم زماں نے نوخیز پہلوان کو غور سے دیکھا اور مسکرا کر کہا "پہلوان! کیوں میری عزت کے پیچھے پڑے ہو۔ تم سے شکست کھا کر میں اپنی عزت کا جنازہ نہیں نکالنا چاہتا۔" یہ سن کر حاضرین محفل نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ یہ آپ کی رستم زماں سے پہلی ملاقات تھی۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد آپ اکھاڑے سے دور اور دور تر ہوتے چلے گئے۔

آپ کے محلے میں ملو نامی ایک اصیل گائے تھی۔ وہ سارا دن محلے میں پھرتی رہتی۔ وہ اتنی اصیل تھی کہ محلے کے بچے بلا جھجک اس سے کھیلتے رہتے۔ یہ شب برات تھی محلے کے بچے پٹاس کی گولیاں چلا رہے تھے۔ کوئی رنگ برنگے انار چھوڑ رہا تھا کوئی پٹاخوں کی لڑیاں چٹ چٹا رہا تھا۔ اتنے میں ملو کی جو شامت آئی وہ اچانک ایک طرف سے نکل آئی۔ محمد سعید کو خدا جانے کیا سوجھی پٹاخوں کی ایک لڑی تاگے سے گائے کی دم کے ساتھ باندھ دی اور اسے دیا سلائی دکھا دی۔ پٹاخوں کی لڑی نے آگ پکڑی تو پہلے دھماکے کے ساتھ ہی ملو بدک کر سرپٹ بھاگنے لگی ایسی ناگہانی مصیبت سے اسے کبھی پالا نہ پڑا تھا۔ بھاگتی ہوتی گائے کی زد میں کئی بچے آئے مگر پھرتی سے بچ نکلے۔ جھنو نامی درزی کی ماں جو کافی ضعیف تھی وہ پھرتی کا مظاہرہ نہ کر سکی اور ملو کی زد میں آ کر زخمی ہو گئی۔ محلے کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تفتیش کا آغاز ہوا۔ لیکن مجرم کی نشاندہی نہ ہو سکی۔ کئی بچے خواہ مخواہ پٹ گئے مگر حافظ محمد سعید کی طرف کسی کا دھیان ہی نہ گیا کہ وہ بھی ایسی حرکت کر سکتے ہیں۔ جھنو درزی نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اس پر آپ نے جرات سے کام لیا اور اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ آپ کے جھنو کی ماں سے اچھے تعلقات تھے آپ قدیم مسلمانوں کی طرح غرباء و مسکین اور ضعیفوں کی مدد کرنے والے تھے آپ نے کئی بار جھنو کی ماں کے چھوٹے موٹے کام کیے تھے لہٰذا اس نے آپ کی اس شرارت کو معاف کر دیا۔ لیکن رابعہ بیگم نے معاف نہ کیا۔ آتش بازی کی سب چیزیں ضبط کر لیں اور ہفتہ بھر کی قید تنہائی کی سزا سنا دی گئی۔ تنبیہہ کے طور پر یہ بھی کہا کہ "اگر تم اقرار جرم

کی جائے تاویلیں پیش کرتے تو سزا کی نوعیت کچھ اور ہوتی۔" یہ سبق آپ کو ہمیشہ یاد رہا اور آپ اقرار جرم یا غلطی کرنے کا اعتراف کرنے والے کو صدق دل سے معاف کر دیا کرتے۔ لیکن اس کے برعکس تاویلیں یا دلیلیں پیش کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیتے۔

آپ لڑکپن میں ہتھ چھٹ بھی واقع ہوئے تھے۔ آپ قرات کے سامع عمر داز کا واقعہ تو پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اوکھلا دلی میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا۔ آپ کشتی رانی کے لئے اوکھلا پہنچے کشتی بان کوئی اجڈ گنوار قسم کا شخص تھا۔ معمولی اختلاف پر تکرار ہونے لگی۔ آپ کو غصہ آگیا۔ تاک کر ایسا گھونسہ اس کے منہ پر رسید کیا کہ کشتی بان کے سامنے والے دانت جھڑ گئے۔ ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اوکھلا انتظامیہ نے تھانے میں رپٹ درج کرا دی۔ آپ کے نام سمن جاری ہو گئے۔ بات تھانے سے چلی تو عدالت جا پہنچی۔ بھائی حافظ عبدالحمید کو ساری مصروفیات ترک کر کے پیشیاں بھگتنا پڑیں۔ معاملہ رفع دفع ہوا تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ آپ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کسی انسان پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے اور اس فیصلے پر عمر بھر قائم رہے۔

ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ آپ فٹ بال کے سر کردہ کھلاڑی تھے اور دہلی ینگز میں کھیلا کرتے تھے۔ افغانستان سے ایک زبردست ٹیم دہلی آئی۔ اس ٹیم نے آتے ہی دہلی والوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ یہ ٹیم طاقت کے بل بوتے پر ہر ٹیم کو شکست دیتی چلی گئی۔ دہلی مغلز کو دس گول سے شکست ہوئی۔ جس سے ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ افغان ٹیم کا اگلا میچ دہلی ینگز سے ہونا تھا جو حکیم سعید کی ٹیم تھی سب کھلاڑی سخت پریشان تھے۔ کیونکہ انھیں اپنی شکست اور رسوائی سامنے نظر آ رہی تھی۔ ایسے میں ایک شخص (محمد سعید) مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ میچ سے ایک دن پیشتر میٹنگ ہوئی، آپ نے ایک منفرد قسم کی تجویز پیش کی جس کی افادیت پہلے تو کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ امید کی کرن دکھائی دینے لگی۔ "افغان ٹیم کے کھلاڑی کھیل کے فن سے ناآشنا ہیں" حکیم سعید نے کہا "ہر کھلاڑی جسمانی قوت کو بطور ہتھیار استعمال کرتا ہے لہٰذا ہمیں چاہئیے کہ حریف کو اس ہتھیار سے محروم کر دیں۔ انشاء اللہ جیت ہماری ہو گی۔"

وہ کیسے ؟ ٹیم کے کپتان نے پوچھا!

"کل صبح میچ کے آغاز سے پہلے مہمانوں کو ناشتے کی دعوت دے کر" آپ نے جواب دیا "اور دعوت مرغن اور لذیز ناشتے پر مشتمل ہو گی۔"

منصوبہ بندی کے بعد مہمانوں کو دعوت کا پیغام دیا گیا جسے بعد شکریہ قبول کر لیا گیا۔ دہلی ینگز کی طرف سے خمیری روغنی روٹیوں اور شاہی نہاری کا اہتمام ہوا۔ اس نہاری کے متعلق مشہور تھا کہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں حاجی صاحب کے بڑوں نے ایک بہت بڑی دیگ اپنی دکان میں جمائی اور وہی دیگ جوں کی توں اسی جگہ موجود تھی۔ حاجی صاحب کا خاندان اسی دیگ میں نہاری تیار کرتا اور اہل دہلی اسے ذوق و شوق سے تناول فرماتے اس نہاری کی منفرد بات یہ تھی کہ پہلی نہاری کا گھان ختم ہونے سے پیشتر دوسرا گھان تیار کر لیا جاتا اس طرح عہد بہادر بادشاہ ظفر کی لذت جوں کی توں موجود تھی۔ نلیوں کے گودے سے بھر پور نہاری اور گرم گرم تندوری روغنی نان دیکھ کر افغانی ناشتے پر پل پڑے۔۔ گرم مصالحے اور تیز مرچ کی وجہ سے ٹھنڈے پانی کا استعمال بھی خوب کیا۔ پر لطف ناشتے سے فارغ ہوئے تو ہر افغانی کھلاڑی کا پیٹ پھول چکا تھا اور ھر خمیری نان پیٹ میں رفتہ رفتہ پھولنے لگے کھلاڑی پانی پیتے تو پیٹ مزید تن جاتا۔ ان کے آرام کا بطور خاص انتظام کیا گیا۔ افغانی ٹیم کے کھلاڑی چادریں تان کر سو گئے اس طرح جب وہ کھیل کے میدان میں اترے تو ان کی کارکردگی صفر ہو چکی تھی۔ اس کے برعکس دہلی ینگز کا ہر کھلاڑی خالی پیٹ تھا۔ کھیل کا آغاز ہوتے ہی دہلی ینگز نے افغانیوں کو اڑا کے رکھ دیا۔ یہ کھیل گویا یک طرفہ تھا۔ سنجیدہ تماشائی افغان ٹیم کی بے تکی حرکات دیکھ کر قہقہے لگانے لگے اس طرح سعید کی معصوم سی شرارت کی وجہ سے ان کی ٹیم فتح یاب ہو گئی اس شرارت کو ہم ذہانت کا شاہکار ہی کہیں گے۔

گھڑ سواری بہترین ورزش مانی جاتی ہے۔ حکیم سعید نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں اس فن میں بھی مہارت حاصل کر لی پھر موٹر سائکل اور ڈرائیونگ کا شوق ہوا تو یہ مہم بھی سر کی۔ موٹر سائیکل پر سترہ اٹھارہ فٹ جمپ لگانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ شطرنج میں دلچسپی ہوئی۔ یہ سن بلوغت کے بعد تک قائم رہی۔ ۱۹۷۵ء میں روس کے ایک ماہر کھلاڑی

کو شکست دی جس پر اپنے پرائے سب ہی ورطہ حیرت میں ڈوب گئے- کیرم بورڈ کا شوق ہوا تو اپنی دھاک بٹھادی- ایک ایک داؤ میں آٹھ آٹھ گولیاں پاٹ کر دیتے- مرغ لڑانے اور کبوتر بازی میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے- آپ کے بچپن کی دلچسپیاں بے شمار ہیں جن کی مختصر جھلک قارئین کو دکھائی گئی ہے-

میدان عمل میں

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پردم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ افتاد

(اقبالؔ)

جدوجہد زندگی کا خاصہ ہے۔اس کے بغیر زندگی بے سود اور مہمل ہے۔ دنیا میں جس قدر انسانوں نے عظمت ورفعت پائی ہے۔ وہ ان کی مسلسل جدوجہد ہمت واستقلال، جرات وبسالت اور انتھک محنت کا ثمر ہے۔ حکیم سعید کی زندگی بھی جدوجہد سے عبارت ہے۔ انہوں نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کا ہر فرد محنت ومشقت اور جدوجہد کا خوگر تھا۔اسی محنت کی بدولت ان کی تقدیریں صبح وشام بدلتی دکھائی دیتی ہیں یہ ان کی محنت کا ہی ثمر ہے کہ ایک چھوٹا سا دواخانہ، نصف صدی کے اندر ایک عظیم الشان سلطنت کی صورت اختیار کر گیا۔ حکیم سعید کو محنت ومشقت کی عادت اور ہمت واستقلال ورثے میں ملے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں وہ طبیہ کالج دہلی سے تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوئے۔ چار برس کے عرصہ تعلیم میں آپ نے ایک بار بھی غیر حاضری نہ کی نہ کوئی لیکچر ضائع کیا۔اب وہ ایک مکمل طبیب بن چکے تھے ہمدرد کا کاروبار کافی وسیع ہو چکا تھا۔ یہ خاندان کوچہ کاشغری میں اپنے مکان میں رہتا تھا جہاں وہ ۱۹۴۰ء تک مقیم رہے۔اسی برس یہ خاندان دریا گنج میں ایک کوٹھی میں چلا گیا جہاں پہلے اخبار ٹائمز آف انڈیا کا دفتر تھا۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک دونوں بھائیوں نے اپنی محنتِ شاقہ، دیانتداری اور ایمانداری سے ہمدرد کو ایشیا کا سب سے بڑا دواساز ادارہ بنا دیا۔ یہ ادارہ جن بلندیوں پر پہنچا اس

کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ۱۹۴۰ء میں ہمدرد کے کارکنوں کی تنخواہ دو ہزار سات سو روپے ماہانہ تھی جو ۱۹۴۷ء میں بڑھ کر ایک لاکھ ستائس ہزار ماہانہ ہو گئی۔ ہمدرد کی داستان تاریخ انسانیت کی ایک نا قابل یقین اور حیران کن سچی داستان ہے۔ انسانی جدوجہد کی بے مثل کامیابی و کامرانی کی داستان۔

ابتدا میں حکیم محمد سعید نے دواخانے میں عطاروں کی مدد کرنا شروع کی۔ پھر عطاری اور نسخہ بندی کی تربیت کے مختلف مراحل طے کیے۔ اس کے بعد دواسازی کی تربیت کا آغاز بھٹیوں میں لکڑیاں اور کوئلے جھونکنے سے ہوا۔ اسی زمانہ میں قاضی سعادت علی نے شربت کے قوام کو اس طرح اچھالا کہ گرم گرم شربت کی بڑی بڑی بوندیں آپ کے جسم و جان کو ہلا گئیں آپ کی کلائی پر ایک داغ آخری وقت تک اس واقعہ کی نشانی کے طور پر موجود رہا۔

ہمدرد کی ڈاک میں روزانہ سینکڑوں خطوط آتے تھے۔ اس شعبے میں آپ نے مولانا قاضی مشرف علی سے تربیت پائی۔ ڈاک پارسل اور پیکٹ تیار کرنے کی تربیت سید حبیب شاہ سے پائی۔ بہی کھاتہ اور روزنامچہ بھی لکھنا شروع کر دیا۔ تقریباً دو سال کے عرصے میں یعنی ۱۹۴۱ء تک وہ صنعت و تجارت کے اصولوں پر مہارت تامہ حاصل کر چکے تھے۔ بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے بڑے ماہرانہ انداز سے حکیم سعید کو ۱۹۴۲ء تک سب کچھ سونپ دیا۔ اب وہ خزانے کے بھی انچارج تھے، تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ زندگی کا سب سے بڑا امتحان ایک چیلنج کی صورت میں در پیش تھا جسے آپ نے لگن اور ضد کے ساتھ قبول کر لیا۔ یہ ایک ایسی ضد تھی جو خود ان کی ذات اور وجود کو تھکنے نہ دیتی تھی۔ انہوں نے "آج کا کام کل پر نہ چھوڑو" کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ یہ ایسی دھن اور لگن تھی کہ آپ چھ ماہ تک ہمدرد کی عمارت سے باہر نہ نکلے۔ شب و روز کام میں مصروف رہے۔ سب کام اپنے ہاتھ سے کیے۔ ہمدرد کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا کہ جہاں وہ انتہائی مہارت کے ساتھ کام نہ کر سکتے تھے۔ دواؤں کی پیکنگ پر بیٹھتے تو ماہر کارکن کو ہرا دیتے خود حکیم سعید کے بقول :

"ہمدرد صحت" ایک لاکھ چھپتا تھا۔ ہمدرد صحت کو ریپ کرنے بیٹھتا تو بڑے سے

بڑے دفتری مجھ سے ہار مان جاتے تھے اردو ٹائپ کرنے بیٹھتا تو طوفان میل بن جاتا تھا"

وہ ایک انتھک محنت کرنے والے انسان تھے اسی بنا پر ان کی والدہ ماجدہ ان کو "جن" کہا کرتی تھیں۔ اور آپ کی بڑی ہمشیرہ کا کہنا تھا:

"جو کام نہیں ہوتا وہ اس جن کے حوالے کر دو، وہ ہو جائے گا"

جو لوگ آپ کے قریب رہے یا جنہوں نے آپ کو کام کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں حکیم سعید جن کی طرح کام کرتے تھے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر وہ ہمدرد کے پورے ماحول پر چھائے ہوئے نظر آتے۔ کارکنوں کے مطابق ان کے ساتھ کام کرنا نہایت مشکل اور کٹھن ہوتا۔ خود تو تھکاوٹ نام کی کوئی چیز ان کے اندر موجود نہ تھی نہ انہیں کھانے پینے کی حاجت۔ ادھر ہم ان حاجات سے ملوث ہوتے ایسے میں ان کا ساتھ دینا جان جوکھوں کا کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دو دو تین تین اور چار چار آدمی مل کر ان کے ساتھ کام کرتے، اس کے باوجود ہم تھک جاتے لیکن ان میں تھکاوٹ کے آثار بھی نظر نہ آتے۔ وہ ایک جن تھے۔ ایسے جن جس میں تھکاوٹ نام کی کوئی چیز موجود نہ ہو وہ اپنی اس خوبی اور ہماری اس خامی کو جانتے تھے لہٰذا وہ ہم پر خفا ہونے کی بجائے ہم سے ہمدردی کا اظہار کرتے۔

آپ نے ہمدرد کے کاروبار، مصنوعات اور نظام کو انقلاب آشنا کیا۔ جدید انداز میں نشر و اشاعت کا کام شروع ہوا جس کا اس سے قبل طب مشرق میں اور اس کی دواؤں کی دنیا میں کوئی رواج یا تصور نہ تھا۔ آپ نے "السٹریٹڈ ویکلی" جیسے معتبر جریدے میں پورے پورے صفحے کے رنگین اشتہارات دیئے۔ ۱۹۴۲ء میں اس جریدے کے پورے صفحے کا خرچ دو ہزار سات سو روپے تھا۔ ہمدرد کی تیس کے لگ بھگ اہم مصنوعات ایجاد ہو چکی تھیں آپ نے طبی دنیا میں تشہیر کا خوبصورت کار آمد با معنی اور نافع کاروبار شروع کیا۔ اس شعبے کا آغاز خود کیا۔ اشتہاروں کی عبارت، کاپی رائٹنگ کے علاوہ ویڈیوز اور اشتہاری فلمیں بھی خود ہی تحریر کیں اور تیار کیں۔ آپ کی ان انتھک کوششوں کا ثمر یہ ہوا کہ ہمدرد دوا سازی کا نہایت ارفع و اعلیٰ کارخانہ بن گیا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے بقول "ہمدرد کی ڈاک پر سالانہ ایک لاکھ روپے

اٹھتے تھے اس سے ہی ہمدرد کے کاروبار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مشروب مشرق "روح افزا" کی ایجاد دہلی میں ہوئی۔ محرم میں روح افزا کی سبیلیں لگائی جاتی تھیں۔ حکیم محمد عبدالحمید کے مطابق "۱۹۴۵ء میں روح افزاء کی پہلی فیکٹری دریا گنج میں قائم ہوئی۔ اس کی دوسری فیکٹری دہلی سے باہر غازی آباد میں تھی۔

حکیم سعید کے والد محترم کی خواہش تھی کہ ہمدرد ایک عظیم فلاحی اور بین الاقوامی ادارہ بنے۔ ان دونوں بھائیوں نے سعادت مند بچوں کی طرح اپنے والدین کی خواہشات کے مطابق ۱۹۴۷ء کے آغاز میں ہمدرد کو وقف کر دیا گیا۔ اس کام سے فراغت کے بعد انہوں نے دیگر منصوبوں پر کام کرنا شروع کیا۔

شادی خانہ آبادی

جوانی کے اپنے رنگ ہوتے ہیں اسی میں محبت کی کونپلیں پھوٹتی ہیں اور انسان کی عقل ودانائی بعض اوقات دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ بعض انسان محبت کی رو میں بہہ کر اپنی طے شدہ ڈگر یا نصب العین سے ہٹ کر دور جا پڑتے ہیں اور بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تیر کھا کر سنبھل جاتے ہیں۔ حکیم سعید پر بھی کیوپڈ نے تیر چلایا تھا جب وہ جوان رعنا اور معزز طبیب تھے کہ ایک نیوزی لینڈ کی خاتون علاج کے لئے آپ کے ہاں آئیں نبض پر ہاتھ کیا رکھا کہ دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اس کا حسن دل میں گھر کر گیا اور وہ دل میں محبت کی کسک محسوس کرنے لگے۔ حکیم محمد سعید نے ان کو اچھالا نہیں نہ کھل کر بات کی وہ ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

"یہ بات صحیح ہے کہ میں نے دہلی میں نیوزی لینڈ کی ایک خاتون سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس فیصلے کے لئے محترم بڑے بھائی جان کی اجازت حاصل کرنا ضروری تھی۔ اس لئے کہ وہ میرے محسن ہیں اور میری فکری اور ذہنی تعمیر ان کی تربیت کی رہین منت ہے مجھے یہ اجازت نہیں ملی۔ محترمہ والدہ صاحبہ کو میری رائے سے زیادہ اختلاف نہیں تھا مگر ان کی خواہش تھی کہ میرے مرحوم بھائی عبدالوحید سے جو خاتون منسوب تھیں میں ان سے نکاح کرلوں تو خاندان کے حق میں اچھا ہوگا۔ محترم بھائی جان طب کے حوالے سے بات کرتے تھے کہ نہ تو مجھے صحافی بننا چاہئے اور نہ ایک صحافی خاتون سے عقد کرنا چاہیے۔ میں نے احترام کا مظاہرہ کیا اور نیوزی لینڈ کو سسرال نہ بنانے کا فیصلہ کرلیا"(کتاب سعید صفحہ ۳۲۲)

جناب مجیب الرحمٰن شامی نے اپنے ماہنامے "قومی ڈائجسٹ" کے حکیم سعید نمبر میں اس واقعہ کو اس انداز سے تحریر کیا ہے:۔

"سعید ملت اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف تھے، جب ایک روز نیوزی لینڈ کی ایک دوشیزہ علاج کی غرض سے مطب میں آئی اور معالج کو گھائل کر گئی۔ یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں تھی۔ انوکھی بات تو یہ بھی نہ تھی کہ وہ دوشیزہ صحت مند، خوبصورت بلکہ مردانہ وجاہت کے مالک طبیب کو دیکھ کر خود بھی گھائل ہو گئی۔ حکیم صاحب موصوفہ کو شریک حیات بنانا چاہتے تھے۔ دوشیزہ کی دلی خواہش بھی یہی تھی لیکن خواہشوں کا کیا ہے اگر ہر خواہش کی تکمیل لازمی ہو تو چاند ہر آنگن میں بسیرا کرے۔ سعید ملت کی منزل کچھ اور تھی۔ شادی والی بات کا موصوف نے خود اعتراف کیا لیکن دونوں کے پس منظر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ سماجی اور اخلاقی قدریں مختلف تھیں۔ سعید ملت کی خاندانی روایات، مادر ہمدرد اور جانثار بھائی کا احترام دل کے معاملے میں زیادہ تھا۔ لہٰذا حکیم محمد سعید نے غیر ملکی دوشیزہ کو مناسب الفاظ میں نشیب و فراز سے آگاہ کر دیا اور یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔۔۔۔ بعد میں اس خاتون نے شادی کر لی لیکن شناسائی کا سلسلہ قائم رہا۔"

اس کے کچھ ہی عرصے بعد یعنی ۱۹۴۳ء میں حکیم محمد سعید کی شادی ان کی خالہ زاد نعمت بیگم سے کر دی گئی جو ایک ایثار پیشہ خاتون تھیں۔ ان کے مطابق "یہ ایک خاندانی معاملہ تھا۔ ہماری والدہ نے کہا" یہ لڑکی ہے "ہم نے سر جھکا دیا اور بس۔ وہ ہماری خالہ کی لڑکی تھی رشتہ ہماری والدہ نے آگے بڑھایا تھا۔ میرے بھائی جان کی منشاء بھی اس میں تھی۔ ہم ساتھ ہی رہتے تھے۔ بہت اچھی خاتون تھیں۔۔۔۔۔ میری شادی میں اس وقت کا کون سا اہم شخص تھا جو شریک نہیں ہوا تھا۔ لیڈروں میں، حکیموں میں، ہندو مسلمان دونوں تھے۔ ہندو کھانا الگ پکا تھا اور مسلمانوں کا کھانا علیحدہ تیار ہوا تھا۔ جمیل میاں (حکیم اجمل خان کے فرزند) بھی آئے تھے۔ دہلی کی تمام اہم شخصیات شریک تھیں، نکاح سادگی سے ہوا تھا حق مہر پچیس روپے تھا ساڑھے بارہ موجل اور ساڑھے بارہ غیر موجل"

آپ کی بیگم ایک پاکباز اور وفا شعار خاتون تھیں جو ۳۸ سال تک ساتھ رہیں۔ اس دوران کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی، نہ لڑائی نہ جھگڑا، نہ کسی قسم کی فرمائش۔ آپ ایک مصروف قسم کے انسان تھے مطب میں دن رات کام کرتے رات گئے گھر لوٹتے، وہ آپ کے

انتظار میں جاگی ہوئی ہوتیں اور آپ کو کھانا کھلا کر سلا کر خود سو جاتیں۔ اور صبح اذان سے پہلے جاگ اٹھتیں۔

دہلی میں تو عیش و آرام تھی۔ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا لیکن جب آپ ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کی شہریت چھوڑ کر پاکستان آگئے تو حالات سخت خراب ہو گئے۔ غربت اور حسرت نے آگھیرا آپ کو بارہ روپے کی نوکری بھی کرنا پڑی۔ غربت و مصیبت ہی تو دوستی اور محبت کی اہم پرکھ ہیں۔ حکیم سعید تو اپنے ساتھ کچھ نہ لائے تھے لیکن آپ کی بیگم اپنے ساتھ اپنے زیورات لے آئی تھیں جو انہیں بھائی جان نے بنوا دیئے تھے۔ اب جو مصیبت کا وقت آیا تو اس صابر و شاکر اور خدمت گزار بیوی نے حق رفاقت ادا کیا۔ کاروبار کے لئے رقم کی ضرورت پڑی تو وفا شعار بیوی نے اپنا تمام زیور شوہر کے قدموں میں رکھ دیا۔ حالانکہ آپ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بی بی! دوبارہ نہ مل سکے گا۔ بیوی نے یہ الفاظ یاد رکھے اور جب حالات سنور گئے تو حکیم سعید نے دوبارہ زیور بنوانے کا ذکر کیا تو نعمت بیگم نے ہنس کر ٹال دیا اور کہا:

"میرا زیور آپ ہیں جتنا زیور پہننا تھا پہن لیا۔ اب ضرورت نہیں رہی"

اس نیک، صابر اور خدمت گزار بیوی نے اپنے باہمت شوہر کا پورا پورا ساتھ دیا اور یقیناً ان سے زیادہ شاید ہی کوئی اور اتنا خوش ہو گا کہ انہوں نے ہمدرد اور اپنے عظیم شوہر کی کامیابیوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کیونکہ ان کامرانیوں میں ان کا اپنا ایثار بھی شامل تھا۔

میاں بیوی کی یہ ۳۸ سالہ رفاقت بڑی مثالی رہی۔ محبت، اخلاص اور انس میں ذرا برابر کمی نہ آئی۔ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس پر نعمت بیگم نے کئی بار آپ سے کہا کہ دوسری شادی کر لیں لیکن حکیم سعید نے ہر بار انکار کر دیا۔ یہ انکار نہ صرف آپ کی زندگی میں ہوا بلکہ بیوی کی وفات کے بعد بھی آپ نے شادی نہ کی کہ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب کہا:

"اب وہ نہیں ہیں اور معاشرہ اور شرع مجھے دوسری بیوی کی اجازت دیتے ہیں مگر روح تو موجود ہے۔ طبیعت آمادہ نہیں ہوتی کہ ان کی روح کو تکلیف پہنچاؤں۔"

"اپنی اہلیہ نعمت بیگم کے ساتھ میری رفاقت کوئی ۳۸ سال رہی مجھے ایک شب بھی ایسی یاد نہیں کہ وہ مجھے سلائے بغیر سوئی ہوں۔وہ بیمار ہونا نہیں جانتی تھیں۔اس لئے ناغے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔پاکستان میں میرا لائف سٹائل بدل گیا۔میں راتوں کو گھر دیر سے آتا کبھی بارہ ایک بھی بج جاتا لیکن جب گھر سے جاتا تو انہیں بتا کر جاتا کہ دیکھنا میرا انتظار نہ کرنا آرام سے سو جانا وہ پختہ وعدہ کرتیں۔میں مطمئن ہو جاتا مگر جب رات گئے گھر آتا تو دیکھنا کہ وہ مصروف عبادت ہیں اور میری منتظر ہیں۔میں کھانا نہ کھا کر آتا تو وہ کھانا کھلاتیں۔نماز عشا ادا کرتا اور وہ مجھے سلا کر پھر سوتیں۔وہ اپنی رفاقت میں پہلی بار جولائی ۱۹۸۱ء میں بخار میں مبتلا ہوئیں، بخار ایک ٹانگ کے معمولی پھوڑے کی وجہ سے تھا میں نے ان کو اسپتال بھیج دیا بلکہ ڈاکٹر بقائی صاحب عید سے دو دن پہلے لے گئے کہ چاند رات کو آجائیں گئیں وہ گھر سے ایسی گئیں کہ چودہ روز میں تلپٹ ہو گئیں اور ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء کو دن کے دو بجے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔"

وہ ایک عظیم عورت تھیں۔ ان کا کریکٹر اس زمانہ میں ملنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حکیم محمد سعید کے مطابق "آج ان کے نہ ہونے سے ہمیں بہت دکھ محسوس ہوتا ہے" یہ معیار اور کردار حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ عورت کی اس میں بہت عظمت پنہاں ہے۔

اب ان کا سہارا صرف ان کی بیٹی ہیں چونکہ اعلیٰ تربیت یافتہ ہیں ماں کے نقش قدم پر چلتی ہیں اور وہ حکیم سعید کو ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتیں۔ وہ ان کو آرام اور سکون پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ "آواز اخلاق" یکم تا ۱۵ ستمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۷-۶

۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۷-۶

ہجرت

۱۹۴۰ء کے بعد تحریک پاکستان میں ایک حیران کن برق رفتاری آگئی تھی جس نے بر صغیر کے ہر شہری کو ہلا کے رکھ دیا۔ حکیم محمد سعید درویشانہ دل ودماغ رکھنے کے باوجود تنہائی پسند نہ تھے ان کی ملاقات زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے انسانوں سے ہوتی "ہمدرد" ادارے کی وجہ سے بڑی بڑی شخصیات کی میزبانی کا شرف بھی انہیں حاصل تھا۔ اپنے ذاتی مراسم، مشاہدے اور غور و فکر کا عادی ہونے کی بنا پر وہ چشم بینا کے مالک بن چکے تھے ان کی بصیرت پکار پکار کر ان کو منزل کے تعین پر مجبور کر رہی تھی۔ ہندوؤں کا حقیقی چہرہ بے نقاب ہو چکا تھا۔ گاندھی جی کی منافقت کھل کر سامنے آچکی تھی۔ مہاتمائی کا پردہ چاک ہو چکا تھا اور ان کا کٹر ہندو پن دیو ستم گر بن کر مسلمانان بر صغیر کے خون پر خندہ زن تھا۔ فرنگیوں کی ناانصافیوں اور بد عہدیوں' کانگرس کی کہہ مکرنیوں، وعدہ خلافیوں، ہٹ دھرمیوں اور اپنوں بیگانوں کی جفاؤں کے باوجود قیام پاکستان کی منزل قریب سے قریب تر آرہی تھی۔ ایسے میں حکیم محمد سعید نے کافی غور و فکر کے بعد ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ تھا:

"بھارت میں جس انداز کی حکومت قائم ہوگی میں اس کا وفادار نہیں رہ سکتا لہٰذا مجھے پاکستان جانا ہوگا" یہ اتنا بڑا فیصلہ تھا جسے دیوانگی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب تو لوگ دیکھتے آئے ہیں لیکن تاج شاہی چھوڑ کر خاک نشینی اختیار کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے بڑی جرات رندانہ کی ضرورت تھی۔ پاکستان میں آنے کا مطلب یہ تھا کہ زندگی کا آغاز بے سروسامانی کی حالت میں از سر نو کیا جائے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ جب انسان کوئی تہیہ کر لیتا ہے تو وہ اپنے اندر تمام پیش آمدہ مصائب و آلام کا مقابلہ

کرنے کی جرات و ہمت بھی پیدا کر لیتا ہے۔ یہ خارزار راستے پر ننگے پاؤں چلنے والا معاملہ ہوتا ہے۔ دودھاری تلوار پر گامزن ہونا اسی کو کہتے ہیں جبکہ وہ انسان اپنی ہمت و استقلال جرات و حوصلہ اور جدوجہد اور سعی و کوشش سے کامرانیوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے تو اس کی یہی کاوش اس کی خوبی اور عظمت بن جاتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی عظیم انسان ہو گزرے ہیں انہوں نے ان خارزار راہوں پر قدم رکھے ہیں اور وہ ان سے لہولہان ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ بڑے تدبر اور تفکر کے بعد کیا ہے۔ حکیم محمد سعید اپنی ہجرت کو شرعی ہجرت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :۔

"میں نے پاکستان کے لئے شرعی ہجرت کی ہے۔ میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر پاکستان آیا ہوں۔ پاکستان میرا عظیم اور پیارا وطن ہے۔ میں اس پاکستان سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے بھی کہ اس کا قیام اور وجود منشائے الٰہی کا تابع ہے ورنہ قیام پاکستان کی تاریخ ۲۷ رمضان المبارک نزول قرآن نہ ہوتی۔ شب قدر کی ساعت ہائے نیک و اقدس میں قائم ہونے والا ملک پاکستان انشاء اللہ قائم رہے گا۔

یوں تو لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہندوستان سے پاکستان آئے زیادہ تر تو لٹ پٹ کر یہاں آئے۔ اپنے ورثے اپنے دادا پردادا کی قبریں چھوڑ کر اپنی جائیدادیں اور خاندانی املاک ترک کر کے بعض اپنے بھائیوں کو عزیز و اقارب کو چھوڑ کر نئے ملک کی محبت میں آئے اور چند قسمت آزمانے یا "آپٹ" کر کے عازم پاکستان ہوئے۔ مگر حکیم محمد سعید پاکستان کیوں آئے ؟ ہندوستان میں انہیں بہت بڑی حیثیت حاصل تھی، ہمدرد اپنی پوری آب و تاب سے اوج ثریا کی جانب گامزن تھا۔ حکیم عبدالحمید پشت پر تھے ان کا سہارا ایک گراں قیمت سرمایہ تھا۔ حکیم سعید خود لکھتے ہیں :۔

"میں نے محسوس کیا کہ میں ہندوستانی حکومت کا دل سے احترام نہیں کر سکوں گا۔ لہٰذا میری دیانت و امانت کا یہی تقاضا ہے کہ مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا چاہیئے۔"

یہ فقرہ آپ کی دلی کیفیات کا ترجمان ہے جو آپ کے سچ اور ایمانداری کی دلیل ہے۔ وہ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں :

"گو میرے بھائی جان محترم نے مجھے سیاست میں قدم رکھنے سے منع کیا مگر میرا سارا ماحول سیاسی رہا- جناب محترم محمد علی جناحؒ سے واسطہ رہا- ان سے دلچسپی اس لئے تھی کہ وہ ایک نیا ملک بنانے کے داعی تھے ان کا نام میرے دل و دماغ میں تعمیر کا عنوان تھا- اس میں ایک ایڈونچر تھا ہر چند علمائے ہند اس ایڈونچر کو امت مسلمہ کے لئے صحیح قرار نہیں دیتے تھے مگر ایک جواں سال حکیم محمد سعید اس ایڈونچر کو درست قرار دیتا رہا- اب میں نے فیصلہ کیا- نہایت انقلابی فیصلہ نہایت تاریخ ساز فیصلہ ایڈونچر پاکستان ذہن میں جاگزیں تھا- اب فیصلے کا وقت آ گیا تھا- حکیم سعید نے اپنی ساری جائیداد اور املاک ہندوستان میں چھوڑ دی اور ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو دہلی کے پالم ہوائی اڈے سے اڑا اور کراچی ایئرپورٹ پر آ کر دم لیا- بھائی سے برائی قبول کر لی علیل والدہ کو زار و قطار روتے چھوڑ دیا- اپنی نظریاتی مملکت کے لئے یہ سب سے بڑی قربانی تھی جو میں نے دی-"

یوں حکیم محمد سعید ہندوستانی سے پاکستانی بن گئے-

حوالہ جات

۱- کتاب سعید از ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، صفحہ ۴۲۸

۲- ایضاً ۵۹-۱۵۸

۳- "آوازِ اخلاق" یکم تا ۱۵ دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۸

غربت نے آگھیرا

حکیم محمد سعید کے ادارے ''ہمدرد'' کو دیکھ کر کسی شخص کے وہم و گمان میں یہ بات آہی نہیں سکتی کہ اس جلیل القدر اور عالی شان ادارے کی خشتِ اول خود اعتمادی ہے نہ کہ دولت و ثروت - یہ ان جلیل القدر، محنتی اور باہمت انسانوں کے لئے بہت بڑی مثال ہے جن کے دلوں میں یہ امنگ اور خواہش ہے کہ وہ دنیا میں کوئی عظیم الشان کام کر جائیں- حکیم محمد سعید جب کراچی ائیر پورٹ پر اترے تو خالی ہاتھ تھے- نہ سر چھپانے کو جگہ ،نہ رہنے کو مکان ہر طرف غربت و افلاس منہ کھولے کھڑی تھی- عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والے محمد سعید ہجرت کے بعد غربت میں گھر گئے- یہاں تک کہ گھر میں ایک درخت تھا اسے بیچ کر کھانا کھایا- یہ سچ ہے- غربت و تنگدستی کے دوران مخلص و غیر مخلص دوستوں کی خوب پہچان ہوتی ہے -اسی دور کو یاد کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے کہا تھا:

''کراچی آیا تو سارے دوستوں کو منکسر المزاج نہیں باغی المزاج پایا بس ایک دوست آنر ایبل سید میران محمد شاہ آگے آئے -کہا میاں سعید! محمد ایوب کھوڑو قاضی فضل اللہ، میر غلام علی تالپور، پیر الٰہی بخش ضرور تمہارے دوست ہیں مگر تم ان کے پاس نہ جانا بس جو مسئلہ درپیش ہو مجھے بتا دینا- میں اس عظیم انسان کا احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتا- سید قمر الزمان شاہ اور ان کی اولاد مجھے آج بھی اس لئے عزیز ہے کہ وہ میران محمد شاہ کے بچے ہیں-''[۱]

اسی زمانہ میں آپ نے کراچی میں ایک سکول کے بچوں کو پڑھانا بھی شروع کر دیا جس سے جو رقم ملتی اس سے گزر اوقات کرتے -بعد میں آپ اس بات پر افسوس کیا کرتے

تھے کہتے ہیں :

"آج تک شدید شرمندگی ہے کہ میں نے تعلیم کا معاوضہ اپنی غربت دور کرنے کے لئے لیا تھا۔ میرے نزدیک، میرے نزدیک کیا اسلام کے نزدیک معلم کو تعلیم و تربیت کا معاوضہ نہیں لینا چاہئے۔" ۲۔

وہ اس کربناک زمانے کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ شاید اسی بنا پر آپ کو غربا و مساکین سے خاص انس ہے اور وہ ہر وقت ان کی مدد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ وہ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں :۔

"پہلی بار میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان آیا تھا۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں میں نے کراچی میں مکان خریدا اور واپس چلا گیا۔ ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو میں دوبارہ پاکستان آیا اس مرتبہ میں بالکل خالی ہاتھ تھا۔ یہاں آکر میں نے کراچی کے کوتوال اسکول میں نوکری کرلی کہ زندہ رہنے کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا۔ وہ سکول آج بھی کراچی میں موجود ہے اور اس پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہوں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اسکول مجھے مل جائے جس میں میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ اور جہاں سے مجھے ماہوار تنخواہ ۴۲ روپے ملا کرتی تھی۔ میں نے ان دنوں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر اللہ موقع دے گا تو ہم بھی اپنا سکول قائم کریں گے۔" ۳۔

اسی دوران انہیں یہ خیال آیا کہ ہمدرد دفتر کھولا جائے۔ ایک دن دفتر کی تلاش میں گھوم رہے تھے کہ ایک پارسی ڈنشا سے ملاقات ہوئی۔ اس سے اپنا حال احوال بیان کیا۔ اور باتوں باتوں میں بتایا کہ میں مکان لینا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس پگڑی کے پیسے نہیں ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک دکان کرایہ پر دے دی اور پگڑی بھی نہ لی۔ آپ نے ساڑھے بارہ روپیہ کرایہ پر فرنیچر اور دفتر قائم کرلیا۔ پہلے تو دفتر میں دو کرسیاں تھیں پھر دو اور کردی گئیں کمرے کا کل رقبہ ۹×۹ تھا۔

اس زمانے میں مہتا جی کراچی کے میئر تھے ان کے پاس ایک گاؤشالہ تھا جو آپ نے حاصل کرلیا۔ حکیم سعید نے اسی احسان کے بدلے ان کی فوٹو مدینۃ الحکمۃ میں آویزاں کر رکھی ہے وہ اپنی کراچی میں آمد کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں :

”میں پاکستان چلا آیا یہاں پر فاقے بھی کیے اور تنگدستی میں بھی دن گزرے ایک دن ہماری بیگم نے کہا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے- ہمارے گھر میں ایک پرانا بادام کا درخت تھا- وہ درخت دس روپے میں بیچا اور گھر میں پکانے کا سامان لے آیا- جب تنگدستی تھی تو اچھے دنوں کے ساتھیوں نے بھی مجھے پہچاننا چھوڑ دیا- میرے ایک دوست حکیم احسن ہوا کرتے تھے وہ ان دنوں کراچی کے میئر تھے- میں ایک دن ان سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھے دو گھنٹے تک باہر بٹھائے رکھا، میں بہت پریشان ہوا اور ان سے ملے بغیر واپس آ گیا- شام کو ان کا ایک آدمی خط لے کر آیا کہ آپ کو فلاں دن اتنے بجے ملاقات کا وقت دیا جاتا ہے- میں نے وہ خط پڑھا اور پھاڑ کر انہیں واپس کر دیا-۴ “

اسی تنگدستی کے دور میں ایک دن آپ ایک دوست کے ساتھ کسی کام سے الائیڈ بینک گئے- وہاں انہیں معلوم ہوا کہ نیشنل بینک آف انڈیا نے ان کا اکاؤنٹ یہاں تبدیل کر دیا جس میں دو لاکھ اکہتر ہزار روپے تھے- یہ ایک اچھی خاصی رقم تھی آپ نے ایک بیوک گاڑی خریدی اور آپ امیر ہو گئے اور پھر لوگ آپ کے دوست بننے لگے-

حوالہ جات

۱- آواز اخلاق یکم تا ۱۵ دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۸

۲- ایضاً صفحہ ۸

۳- آواز اخلاق یکم تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء صفحہ ۲

۴- ایضاً صفحہ ۳

بنائے نو بہار - تعمیر جہان نو

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(اقبالؒ)

اگر کسی شخص کا یقین ناپا جا سکتا تو اس کی امکانی کامیابیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا۔ کسی انسان نے بھی کوئی بڑا کام تذبذب اور شک کی حالت میں نہیں کیا۔ اس کا یقین ہی پختہ نہ ہو تو اس کی مساعی بھی اسی نسبت سے کمزور ہو گی۔ ہر کامیابی کے لئے اس امر کا یقین لازمی ہے کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ کارنامے کار ہنما اور رہبر اپنی ذات پر اعتبار کرتا ہے۔ اور خود اعتمادی ہی وہ راہ دکھاتی ہے جس پر چل کر ہم ہر وہ چیز حاصل کر سکتے ہیں جو ہمارے امکان میں ہے یہی وہ قوت ہے جو ہمارے باطنی امکانات کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔ ہمارا یقین ہمیں عظیم الشان کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ وہ ہمارے باطنی امکانات و قوی کا اندازہ کر سکتا ہے جن سے وہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ اکثر لوگ یہ کہا کرتے ہیں اگر مجھ میں وہ صفت ہوتی تو میں یہ کر ڈالتا اگر میرے پاس یہ قابلیت ہوتی تو میں وہ کام کرتا جسے دیکھ کر دنیا محو حیرت ہو جاتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوال صفت اور قابلیت کا نہیں ہوتا بلکہ خود اعتمادی کا ہے۔ اصل بات اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کی ہے۔ اگر آپ کے اندر خود اعتمادی اور بھروسہ نہیں تو آپ کو بڑے بڑے کام کرنے کے زیادہ مواقع حاصل ہوں گے۔ اکثر لوگوں کو خداداد قابلیت، دولت و ثروت حاصل ہوتی ہے لیکن خود اعتمادی کی عدم موجودگی کی بنا پر وہ اعلیٰ مقام پانے سے قاصر رہے ہیں انہیں ایک تازیانے ممیز اور ٹھوکر کی

ضرورت ہوتی ہے- بقول علامہ اقبالؒ

توذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز

اگر آپ کو اپنی ذات پر بھروسہ اور اعتماد ہے -اگر آپ استقلال اور مستقل مزاجی سے کام کر سکتے ہیں تو یقیناً کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے گی- پختہ یقین اور عزم صمیم کے مقابلے میں کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکتی- وہ سب بندشوں کو توڑ کر سب مصائب کے پہاڑوں کو پیس کر زندگی کو رفعت و کامرانی سے ہمکنار کر دیتا ہے- حکیم محمد سعید کی زندگی کو ذرا دیکھئے وہ خالی ہاتھ پاکستان آئے اور کراچی کو اپنی قسمت آزمانے کی آماجگاہ بنایا-انہوں نے دل میں عہد کر لیا کہ جب تک وہ کامیابی کی رفعتوں کو نہ چھولیں گے واپس دہلی نہ جائیں گے-اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لئے انہوں نے کراچی میں بغیر سواری کے پیدل گھومنا شروع کیا- تلاش یہ تھی کہ کوئی جگہ مل جائے جہاں ہمدرد دواخانہ کھولا جا سکے-یہ کوئی آسان کام نہ تھا تقریباً ایک ماہ اسی کشمکش میں گزر گیا کوئی بات نہ بن پڑی- جوتوں کے تلے گھس گئے بلکہ بقول ان کے سوراخ بھی بن گئے-

اس پیدل بھاگ دوڑ میں آپ کو کافی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا- آپ نے اپنی بیگم سے کہا کہ وہ صبح کو ان کے لئے موٹا سا پراٹھا تیار کیا کریں-اس موٹے پراٹھے کی فرمائش کے پیچھے جو عجلت اور ضرورت کار فرما تھی وہ یہ تھی کہ وہ سارا دن پیدل چلتے تھے اور جلد بھوک لگ جاتی تھی اس لئے انہوں نے موٹے پراٹھے کی فرمائش کی کہ موٹا پراٹھا دیر میں ہضم ہو اور بھوک بھی دیر میں لگے-

ہر لمحہ مصروف رہنے والے حکیم سعید کی زندگی کا یہ ایک نادر دور تھا کہ وہ ڈیڑھ پونے دو ماہ بیکار رہے-حالانکہ یہ بیکاری ایسی نہ تھی کہ جس میں وہ بیکاری کی بنا پر گھر پر پڑے آرام کرتے رہے ہوں اس بیکاری میں بھی مصروفیت تھی کراچی شہر کی چھان بین- یہ اس شخص کی حالت تھی جو معمولی ضرورتوں کی تکمیل سے قاصر تھا اور بھارت میں ایک بہت بڑی جائیداد چھوڑ آیا تھا-

حکیم عبدالحمید کو علم تھا کہ بھائی کچھ لے کر نہیں گیا- حالات بھی نازک تھے ایسے

میں انہوں نے نونہال گرائپ واٹر کی دس ہزار شیشیاں کراچی بھجوا دیں جن کی بنا پر دکان کی ضرورت مزید بڑھ گئی۔ آپ نونہال گرائپ واٹر کی شیشیاں خود بیچنے نکلے اور کراچی کے ہر علاقے میں گئے اسی زمانہ میں آپ کی ملاقات ایک پارسی ڈنشا نامی شخص سے ہوئی۔ اس نے آپ کی پریشانی کو بھانپ لیا اور پوچھا:

کیا بات ہے بہت پریشان لگتے ہو؟

آپ نے اپنی ضرورت سے آگاہ کیا کہ ایک کمرے کی ضرورت ہے اور پگڑی دینے کے قابل نہیں تو ڈنشا نے انہیں پچاس روپے ماہوار پر کمرہ دے دیا اور پگڑی بھی نہ لی۔ حکیم سعید کہتے ہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا احسان تھا جسے وہ کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے ساڑھے بارہ روپے کرائے پر فرنیچر لیا جب دکان تیار ہو گئی تو انہوں نے طب کا کام شروع کر دیا۔

اب دواسازی کے لئے جگہ چاہیئے تھی۔ پہلے سوچا کہ گھر پر اس کا آغاز کیا جائے لیکن یہ مناسب تھا اور نہ ممکن۔ آرام باغ روڈ پر سول ہسپتال کے قریب ایک دھرم شالہ تھا کوشش کا آغاز ہوا کہ یہ جگہ مل جائے تو یہاں دواسازی کا کام شروع کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کام میئر کراچی جمشید نسروانجی مہتا کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ وہی اس کے انچارج ہیں آپ ان سے ملاقات کے لئے گئے تو ایک گھنٹہ قطار میں بیٹھنا پڑا آپ اپنی باری پر ان سے ملے اور اپنے ساتھ لائے ہوئے السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا کے شمارے دکھائے جن میں ہمدرد کی مصنوعات کے اشتہارات تھے۔ اور اپنے ماضی کا ذکر بھی کیا اور کہا اگر آپ تعاون کریں تو میں اس انداز سے پاکستان میں بھی کام کرنا چاہتا ہوں وہ یہ دیکھ اور سن کر بہت خوش ہوئے۔ یوں دواسازی کے لئے جگہ ملنے کی سبیل پیدا ہو گئی آپ نے سارا ماجرا سید میران محمد شاہ کو بتایا جنہوں نے آپ کی بہت اعانت کی۔ دھرم شالہ کی اوپر والی منزل پر ہندو آباد تھے آپ کو گراؤنڈ فلور مل گیا اور آپ کی ایک مشکل حل ہو گئی۔ فریئر روڈ پر ایک کھادی بھنڈار تھا۔ آپ نے وہاں کوشش کی۔ دکان تو مل سکتی تھی لیکن پورے مال سمیت۔ ڈیڑھ لاکھ قیمت بتائی گئی وہاں مال تین ہزار سے زیادہ کا نہ تھا۔ البتہ آپ نے وہ دکان لے لی۔ چونکہ آپ گرائپ واٹر کی

شیشیاں بھی بچ چکے تھے اور مزید رقم بھی آگئی تھی۔ سید میران محمد شاہ جو اب وزیر مہاجرین بن چکے تھے انہوں نے بجلی کا کنکشن دلا دیا۔ یوں کام کا آغاز ہوا لیکن ایک مصیبت اور آن پڑی کہ چینی کی راشن بندی تھی۔ لہٰذا آپ کو مہنگے داموں چینی خریدنا پڑی۔

روح افزا مشروبِ مشرق پہلی بار کراچی میں تیار ہوا۔ پہلے دن بیالیس بوتلیں تیار ہوئیں۔ گلاب کیوڑہ اور عرقیات سے بازار مہک اٹھا لوگ خود بخود آگئے اور سب بوتلیں بک گئیں۔ ادھر مطب میں استحکام پیدا ہوا۔ لوگوں کی لمبی قطاریں لگنے لگیں۔ وہی جمشید نسروانجی مہتا جنہوں نے جگہ دلوائی تھی۔ وہ بھی ایک دن قطار میں بیٹھے دکھائی دیئے اپنی باری پر اندر آئے نبض دکھائی، نسخہ لکھوایا اور دوائی لئے بغیر واپس چلے گئے دراصل وہ کام دیکھنے آئے تھے کام کی رفتار دیکھ کر مسرور ہو کر چلے گئے۔

بڑی فیکٹری کے لئے کراچی کی نئی بستی میں جگہ حاصل کرنے کی تگ و دو کا آغاز ہوا۔ نواب محمد اسماعیل کے بڑے صاحبزادے جی اے مدنی نے اس سلسلے میں آپ کی خاص مدد کی اس بستی کا نام ناظم آباد تھا۔ فیکٹری کا نقشہ بنا۔ اب تعمیر کا مرحلہ تھا کہ بیوی سے اس کا زیور مانگا۔ اس نے سارا زیور حوالے کر دیا۔ یہ زیور لے کر آپ اپنے دوست حاجی عبداللہ کے ساتھ جونا مارکیٹ گئے۔ سناروں کے پاس زیور فروخت کیا۔ یوں ہمدرد کی فیکٹری ناظم آباد میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد ہمدرد کی توسیع اور نئے نئے منصوبوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ہمدرد کو جو شہرت دہلی میں حاصل ہے اس کا مختصر سا خاکہ ہم حکیم عبدالحمید کے باب میں کر آئے ہیں۔ پاکستان آکر حکیم سعید نے ہمدرد کی تعمیر نو کا آغاز کیا۔ آپ نے اپنی بستی بڑی محنت، جد و جہد اور ہمت و استقلال سے بسائی۔ ہمدرد کو اس قدر وسعت عطا کی کہ یہ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہو گیا۔ یہاں یہ بات فخر کے ساتھ بتائی جا سکتی ہے کہ حکیم سعید کی پاکستان میں اپنی ذاتی کوئی جائداد نہیں ہے۔ ایک مکان تھا وہ بھی اپنی بیگم کو دے دیا تھا ان کے انتقال کے بعد وہ اپنی بیٹی سعدیہ کو دے دیا۔ تمام ہمدرد اور اس کے ادارے پاکستان کے نام پر وقف ہیں۔ یہ سب فلاح انسانی کے ادارے ہیں۔

بنی نوع انسان کا خادم

ایک طبیب کی حیثیت سے وہ سارا انسانیت کی خدمت کو اپنا اولین فرض اور مشن قرار دیتے- آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ۱۹۴۰ء میں جب آپ نے دہلی میں مطب کا آغاز کیا اس وقت سے لے کر شہادت کا جام نوش کرنے تک وہ لاکھوں انسانوں کا علاج کر چکے تھے- یہ کوئی مبالغہ نہیں نہ ہی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے کیونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ پاکستان آنے کے بعد حکیم صاحب نے کراچی میں مطب کا آغاز کیا- چند برسوں کے بعد انہوں نے اپنی خدمات کا دائرہ وسیع کر دیا- آپ راولپنڈی، پشاور، لاہور، کوئٹہ، ملتان اور سکھر میں ہر ماہ دو دو دن مطب کرتے -ان کی عدم موجودگی میں آپ کے بھانجے حکیم محمد یٰسین اور دیگر تجربہ کار حکماء ان شہروں میں مریضوں کو دیکھتے اور علاج کرتے -۱۹۷۱ء سے قبل آپ ڈھاکہ میں مطب کرتے رہے- پاکستان کے سربراہوں سے لے کر دور افتادہ علاقوں کے غرباء تک مختلف لوگ آپ کے زیر علاج رہے- ان کے علاوہ دنیا کے کئی ممالک کے سربراہ اور حکمران بھی آپ کے زیر علاج رہے-

آپ کا ہمیشہ یہ اصول رہا کہ جتنے مریض مطب میں موجود ہیں انہیں دیکھے بغیر مطب نہ چھوڑتے- بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ چوبیس گھنٹوں میں چند گھنٹے نماز اور آرام کے نکالے باقی سب وقت مریضوں کو دیکھنے میں صرف کر دیا- جن مقررہ دنوں میں آپ پشاور، لاہور، راولپنڈی، کراچی، ملتان، کوئٹہ اور سکھر میں مطب کرتے ان دنوں وہاں سینکڑوں مریض علاج کے لئے جمع ہو جاتے- وہ مریضوں سے بڑی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے 'وہ خدمت خلق کے جذبہ سے معمور ہو کر مریضوں کا علاج کرتے رہے- لطف یہ

کہ ان دنوں میں وہ روزے سے ہوتے۔ انسانوں کی خدمت ہی ان کا اور ان کے ہمدرد کا مشن رہا۔ ہمدرد کے مطب میں مستند اور تجربہ کار اطباء کا تقرر کیا جاتا ہے۔ کروڑں روپے اب تک مطب ہائے ہمدرد پر صرف ہو رہے ہیں۔ آپ نہ خود کوئی فیس لیتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا طبیب علاج، تشخیص اور معائنے کے لئے کوئی فیس طلب کرتا ہے بلکہ ضرورت مند اور نادار مریضوں کو بلا قیمت ادویات بھی مہیا کی جاتی ہیں۔

دنیا بھر میں جس قدر بھی معالج موجود ہیں وہ غرباء اور مساکین کے علاج معالجے میں زیادہ مخلص نہیں ہوتے چونکہ ان کو فیس نہیں ملتی اور دیگر مطالبات پورے نہیں ہو پاتے۔ حکیم سعید کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ کے پاس جو بھی مریض آیا وہ علاج معالجے کے بغیر نہ گیا بلکہ غربا اور ضرورت مندوں کو کچھ زیادہ ہی ہمدردی نصیب ہوتی۔ ان میں کروڑوں روپے کی ادویہ بلا قیمت تقسیم ہوتیں اس اعتبار سے پاکستان خوش قسمت ہے کہ یہاں حکیم سعید جیسا جلیل القدر طبیب پاکستانیوں کی صحت کے لئے شب و روز کام کرتا رہا اور طب مشرق کو دنیا بھر میں متعارف کراتا رہا۔

ہمدرد کی ادویہ پورے ملک میں تقسیم ہوتی ہیں۔ قصبوں اور دیہات میں بھی ہمدرد کی دوائیں مل جاتی ہیں۔ ان کی مانگ مفید اور پر اثر ہونے کی بنا پر بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ہمدرد کی دواؤں کا معیار نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ دوسرے درجے کی کوئی دوائی تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ پاکستان کی آب و ہوا اور یہاں کے لوگوں کے مزاج سے پوری طرح کی مطابقت رکھتی ہیں۔

ہمدرد مطب بنی نوع انسان اور انسانیت کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ آپ نے جو روایت قائم کی ہے اس کی مثال تاریخ انسانیت میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ کے ہاتھوں لاکھوں انسانوں کو نئی زندگی ملی، مسرت و شادمانی اور صحت جیسی نعمت نصیب ہوئی اس لئے بجا طور پر آپ کو مسیحائے وقت کہا جاسکتا ہے۔

ایک طبیب کی حیثیت سے حکیم محمد سعید کو تمام دنیا میں شہرت و مقبولیت اور باوقار مقام حاصل رہا۔ طب مشرق کو دنیا میں ایک عظیم مقام دلانے کے لئے انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ طب اور طبیب کے بارے میں آپ کے

خیالات و افکار نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔اس ضمن میں ان کی کتابیں اخلاقیات طبیب سائنس اور معاشرہ، صحت اور درسگاہ اور تجربات طبیب نہایت اہم اور فکر انگیز ہیں۔آپ نے طب کے لئے بڑی جدوجہد کی اور اس کی ترویج و ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں۔آپ نے ایک انٹرویو میں فرمایا:

"طب ایک فن ہے میری رائے میں اسے پیشہ قرار دینے میں احتیاط کا دامن پکڑنا چاہئیے، جب تک یہ فن ہے انسان ہر قسم کے مالی فوائد سے بالا رہتا ہے لیکن جب طب پیشہ بن جاتی ہے تو مادی عمل جاری ہو جاتا ہے اور زر اندوزی لازماً در آتی ہے۔طب عصری کی جدید دواؤں کی بنیاد بد قسمتی سے فن نہیں رہی بلکہ پیشہ ہو گئی۔انسانی وجود مادی قرار پایا تو روحانیت ختم ہو گئی۔دوا سازی کا مقصود اور علاج کا مطمع نظر جب جراثیم کشی قرار پائی تو جہاں امراض پیدا کرنے والے جراثیم مرے وہاں صحت بخش جراثیم بھی ہلاک ہوئے۔میں طب عربی اور طب مغربی کے مابین کسی مقابلے کا قائل نہیں ہوں۔طب عربی نے اپنے اساسی نظریات کو ترک نہیں کیا ہے۔یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ اور وقار ہے۔طب مغربی نے جب جسم انسانی کو مادی وجود قرار دیا تو اس کی بنیادیں غیر مستحکم ہو کر رہ گئیں، آج تک کم از کم ایک ہزار کتابیں طب جدید کے غیر انسانی اپروچ پر لکھی جا چکی ہیں---- میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ مغرب میں علاج بالنفس یا نفسیاتی علاج کی شدت جب سے پیدا ہوئی ہے تو در حقیقت یہ واضح اعتراف ہے اس غلطی کا کہ جسم انسانی محض مادی وجود ہے۔ یہ طب عصری کے دعوائے جدت کو شکست ہے۔ہزاروں بستروں کے سینکڑوں ہسپتالوں کا مغرب میں وجود طب عربی کے نظریہ روحانی کا واضح اعتراف و تسلیم ہے۔

میں اصرار کرتا ہوں کہ طب کو خواہ وہ عربی اسلامی ہو یا مغربی، آغوش فطرت میں رہنا چاہیے اس اعتبار سے طب اسلامی کو صراط مستقیم پر سمجھتا ہوں اور طب مغربی کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ نظریہ فلسفہ طب اسلامی کی فہم کو موضوع فکر و تحقیق بنائے۔" (کتاب سعید صفحہ ۴۱-۳۴۰)

علمی و ادبی خدمات / شام ہمدرد

حکیم محمد سعید نے علمی، ادبی، اخلاقی، روحانی، طبی، سماجی، ثقافتی، اور تعلیمی میدانوں میں نہایت اعلیٰ خدمات انجام دیں- آپ ادیبوں ' عالموں ' دانشوروں ' شاعروں اور ہر اس شخص کے قدر دان تھے جس میں کوئی بھی اچھائی یا خوبی موجود ہو- مجلس شوریٰ کے قیام سے قبل کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور سے انہوں نے بڑے بڑے شعراء کو وثیقہ اعتراف دیا- گیارہ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا-

شام ہمدرد ایک ایسا ادارہ ہے، جو پاکستان میں پورے تسلسل کے ساتھ تعمیر اذہان میں مصروف ہے شاید پاکستان میں ہی واحد ادارہ ہے جسے چالیس سال سے دوام حاصل ہے- اس ادارۂ فکر و ذہن میں پاکستان کی عظیم المرتبت شخصیات نے حصہ لیا ہے اور محبت و خلوص کا مظاہرہ مسلسل کیا ہے -اب یہی صاحبانِ فہم و دانش "شوریٰ ہمدرد" کے رکن ہیں-

شوریٰ ہمدرد بلاشبہ ایک نہایت پاکیزہ تحریک کا نام ہے -اولین مقصد اس کا یہ ہے کہ پاکستان کی عظمت و رفعت کا سامان کیا جائے اور ہر طور کیا جائے- یہ شوریٰ نعرہ بازیاں نہیں کرتی- شام ہمدرد اور شوریٰ ہمدرد تفکر و تدبر کا عنوان روشن ہیں- تعمیر اذہان ان کا مقصود ہے اور اہل وطن کی رہنمائی مقصود اعلیٰ ہے- شوریٰ ہمدرد اہل اقتدار کے لئے سرمۂ بصیرت کا کام کرتی ہے اور مناسب سے بلند و بالا ہو کر پوری ہمدردی اور پورے خلوص و انس. کے ساتھ صراط مستقیم دینے کی سعی کرتی ہے ' چالیس سال سے خدمت ملک و ملت کا یہ سلسلہ قائم اور جاری ہے- شوریٰ ہمدرد نے اپنے رہنماؤں کو آغوش عمل میں جاتے دیکھا ہے-

پاکستان میں شام ہمدرد کی حیثیت ایک اہم ادارے کی ہے شام ہمدرد کو اس مقام ارفع تک پہنچانے کے لئے اور اس کو پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ تعمیر اذہان ملی کی ترقی، میدان ہائے سائنس، تعلیم و ثقافت میں مثبت کردار ادا کرنے کی حیثیت دینے کے لئے حکیم سعید نے مسلسل شدید محنت اور جدوجہد کی- یہ ایک غیر سیاسی فورم ہے اس پلیٹ فارم سے ہر مکتبہ فکر کے دانش ور اور صاحبانِ علم و فضل کو اظہارِ خیال کی دعوت دی جاتی ہے- اس کی شہرت خوشبو کی طرح دور دور تک پھیل چکی ہے- اب بیرونی ممالک کے اسکالر، دانشور اور اہل علم و فضل بھی اس پلیٹ فارم سے خطاب کرنے کو عزت و توقیر محسوس کرتے ہیں-

شام ہمدرد نے ایک روایت کا آغاز کیا جس کی دیکھا دیکھی اہلِ علم و فن حضرات کے ساتھ شامیں منائی جانے لگیں ہیں- علمی و ادبی حلقوں میں ایک شاندار روایت پڑی- شام ہمدرد کا انعقاد ہر ماہ کراچی، لاہور، راولپنڈی، اور پشاور میں بڑی پابندی اور تسلسل کے ساتھ ہو رہا ہے- ان کے علاوہ ملتان اور بہاولپور میں بھی شام ہمدرد کے مراکز قائم کیے گئے ہیں- شام ہمدرد کا آغاز ۱۹۶۱ء میں ہوا- ۱۹۷۱ء تک مختلف موضوعات پر اظہار خیال ہوتا رہا- ۱۹۷۲ء میں سال بھر "احترام" زیر بحث رہا- اس سے قبل تذکرہ محمد ﷺ شام ہمدرد کا موضوع رہا- ۱۹۷۳ء میں "شخصیات جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو بدل دیا"- ۱۹۷۴ء میں "مسائل ملی"، ۱۹۷۵ء میں "قرآن روشنی ہے" ۱۹۷۶ء میں "زوال اخلاق"، ۱۹۸۰ء میں "اخلاق" زیر بحث موضوع رہا- اس درمیانی عرصہ میں مختلف مضامین زیر بحث رہے- ۱۹۸۱ء میں "اقراء"، ۱۹۸۲ء میں مختلف موضوعات تمدن، اخلاقیات، تنظیم، صحافت اور ادب زیر بحث رہے- ۱۹۸۳ء کا موضوع "خودی" رہا- ۱۹۸۴ء کو موضوع "سرمایہ حیات میں مشاہدات و تجربات"، ۱۹۸۵ء میں "آؤ محبت کریں"، ۱۹۸۶ء میں "مستقبلیات" موضوع رہا- اس کے بعد مختلف قسم کے قومی مسائل کو زیر بحث لایا جاتا رہا جن کے ذریعے سامعین کے ذہنوں کی آبیاری ہوئی اور ان کے فکر و عمل کے باب کھلے- اور قومی و ملی شعور بیدار ہوا- شام ہمدرد حیات ملی میں فکر و عمل کی راہیں کھولنے کا بہترین ذریعہ ہے اور تربیت اذہان و قلوب کا سامان تحقیق و جستجو کی مشعلیں روشن کر کے علم و عالم کو مقامِ ارفع دلانے کی

سعی پیہم اور جہد مسلسل ہے اور یہ عمل جاری ہے۔

۱۹۹۴ء کا پورا سال "شام ہمدرد" کے تحت ملک کے نامور شعراء کی خصوصی پذیرائی کا سال تھا۔ اس سال کراچی، لاہور، پشاور، راولپنڈی کے مراکز پر ہر ماہ کسی شاعر کے ساتھ شام منائی گئی اور اس طرح کہ صاحب صدارت کے ارشادات کے علاوہ ایک دو صاحبانِ فکر و عمل کے مضامین اور پھر صاحب شام کا بھرپور کلام ------------! یوں دو، تین گھنٹوں پر محیط آڈیو، ویڈیو کیسٹ بھی ہر شام کی مکمل تیار کرائی گئی۔ ملک بھر کے چنیدہ پچاس سے لگ بھگ شعراء کو "وثیقہ اعتراف" سے نوازا گیا۔ حکیم محمد سعید کے پیش نظر ان تمام شاموں کی حرف بہ حرف کاروائی کو الگ الگ چار جلدوں میں کتابی صورت میں شائع کرنے کا منصوبہ بھی تھا۔ شاید وہ بھی کبھی مکمل ہو سکے۔ شعراء کی پذیرائی اور "وثیقہ اعتراف" دلوانے کے مجوز و محرک ملک کے ممتاز شاعر ناصر زیدی تھے جنہوں نے سال بھر ۱۹۹۴ء کی ان تقریبات پذیرائی "شام ہمدرد" کی بہت عمدگی سے نظامت کی اور شعراء پر تعارفی مضمون پڑھے۔

۱۹۶۱ء سے اب تک "شام ہمدرد" کی محفلوں سے لاکھوں افراد فیضیاب ہوئے ان میں طلباء و طالبات، دانشور، وکلا، سیاست دان اور دیگر علوم و فنون سے تعلق رکھنے والے افراد کے علاوہ باشعور پاکستانی شامل ہیں۔ شام ہمدرد کی تقاریب پروقار اور تنظیم کی اعلیٰ مثال ہوتی ہیں۔ ان میں سنجیدگی اور انہماک کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی طویل مدت میں کسی بھی محفل میں بدمزگی، ناخوش گوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اس کے سامعین شام ہمدرد کی اہمیت اور فوقیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ماحول کو سنجیدہ اور باوقار رکھنے میں منتظمین کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں۔ وہ شام ہمدرد کے عظیم مقصد سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ شام ہمدرد کے ذریعے پاکستان کو مستحکم، عظیم اور خوش حال بنانے کے لئے فکر و خیال کے ان گوشوں کو اجاگر کیا جاتا ہے جس سے تعمیر انسانیت بھی ہوتی ہے، تعمیر وطن کا فریضہ بھی ادا ہوتا ہے۔ شام ہمدرد کے مقررین کی تعداد چھ سو سے تجاوز کر چکی ہے جن میں ادیب، دانشور، مفکر، تاریخ دان، فلسفی، ماہرینِ طب، ڈاکٹر، ماہرین تعلیم، قانون دان، اعلیٰ

عدالتوں کے جج، ماہرینِ سماجیات شامل ہیں جو زندگی کے ہر شعبے پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔

تصانیف و تالیفات

حکیم محمد سعید کی شخصیت کی طرح ان کی تصانیف بھی کئی پہلو رکھتی ہیں۔ آپ نے کتابیں تصنیف بھی کی ہیں اور تالیف بھی، کتابیں مرتب بھی کی ہیں اور ترجمے بھی کیے ہیں سفر نامے بھی لکھے ہیں۔ دینی، علمی، اخلاقی اور ثقافتی موضوعات پر بھی کتابیں تحریر کی ہیں۔ یہ کتابیں انگریزی زبان میں بھی ہیں اور اردو زبان میں بھی۔ یہ کتب اپنے اندر گرانمایہ معلوماتی خزینہ رکھتی ہیں۔ یہ بہت بڑی انفرادی فکر اور اجتماعی سوچ کی آئینہ دار ہیں۔

ا۔ مرتب شدہ کتب :

ان میں ایک تو وہ کتب ہیں جو مختلف مواقع پر کانفرنسوں، سیمیناروں یا سمپوزیم میں پڑھے گئے مضامین و مقالات پر مشتمل ہیں یہ زیادہ تر طب سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسری وہ کتب ہیں جو شام ہمدرد میں پڑھے گئے مضامین و مقالات پر مشتمل ہیں۔ آخر الذکر کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں :۔

(۱) مقالات شام ہمدرد ۶۶-۱۹۶۵ء

(۲) مقالات شام ہمدرد (احترام) ۷۲-۱۹ء

(۳) شام ہمدرد (آؤ محبت کریں)

(۴) ذیابیطس نامہ

(۵) اخلاقیات نبویؐ

(۶) خودی

(۷) مقالات ابن الہیثم

(۸) افکار و اشخاص

(۹) تاثرات ملا واحدی

(۱۰) محبت کی باتیں

(۱۱) مسائل و افکار

(۱۲) اقدار حیات

(۱۳) اکیسویں صدی کی جانب

(۱۴) تذکار محمد ﷺ

(۱۵) قرآن روشنی ہے

(۱۶) خودی، تعلیمات نبویؐ

(۱۷) خودی مفکرینِ اسلام

(۱۸) نظریہ و فلسفہ تعلیمِ اسلامی

(۱۹) تصور ریاستِ اسلامی

(۲۰) قرآن - مقصد و منہاج

(۲۱) شاہراہِ زندگی-

(ب) دینی کتب : یہ حکیم محمد سعید کی وہ نگارشات ہیں جن میں دین حق، اخلاقیات، ثقافت اور روحانیت پر بحث کی گئی ہے- ان میں سیرت طیبہ کو خصوصی طور موضوع بنایا گیا ہے- قرآن مجید اور سنت نبوی کو پیش نظر رکھ کر دین اسلام اور اس کے اخلاقی نظامِ حیات کو زیر بحث لایا گیا ہے- اس گروپ میں درج ذیل کتب آتی ہیں :-

(۱) نور کے پھول

(۲) لمحہ لمحہ سوچ کر

(۳) سچ بولو

(۴) امن

(۵) تلاش امن

(۶) سنہرے اصول

(۷) نونہال دینیات

(۸) صراط مستقیم

(۹) حلال اور حرام

(۱۰) سب سے بڑے انسان

(۱۱) **نقوش سیرت** : پانچ چھوٹی چھوٹی کتابوں پر مشتمل اس مجموعہ میں رسول ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں اور واقعات پر نہایت آسان اور دلنشین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۲) **خوب سیرت** :- حکیم محمد سعید نے خوب سیرت کے نام سے ایک نہایت خوبصورت کتاب تحریر کی ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کی چالیس احادیث مبارکہ کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۳) **پرواز فکر** :- نوجوان ادب کے سلسلے کی گیارھویں کتاب ہے۔ واشنگٹن میں پانچ روزہ قیام اور بحر اوقیانوس پر پرواز فکر کی داستان اور پھر واشنگٹن کی کہانی تصویروں کی زبانی اس سفرنامے کی دلچسپ خصوصیات ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے دو اہم اجلاسوں کی روداد ہے جن میں حکیم سعید نے شرکت کی۔

(۱۴) **بالیدگیٔ فکر** :- فکر جواں سلسلے کی دوسری کتاب بھی آپ کا ایک سفرنامہ ہے۔ دوران سفر حکیم سعید کی فکر کو جب مہمیز لگتا تو ان کا قلم کچھ اور رواں ہو جاتا۔ اپنے وطن کے نونہالوں اور نوجوانوں سے محبت اور ان کی فکری تربیت سے گہری دلچسپی آپکو ان موضوعات پر اظہار خیال پر مجبور کرتی ہے جنہیں ہمارے دانشور عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ج۔ طب، صحت اور سائنس :

حکیم محمد سعید بنیادی طور پر ایک حکیم اور طبیب تھے اور علم طب انہیں ورثہ میں ملا

تھا للذا ان کی زیادہ تر دلچسپی علم طب کی طرف ہی ہونا چاہیئے تھی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے علم طب پر بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے اور ان میں جلیل القدر نام بھی پایا ہے۔اس موضوع پر آپ کی درج ذیل کتب نہایت اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) انسانی جسم کے عجائبات

(۲) یہ معمولی نزلہ نہیں ہے

(۳) صحت نامہ

(۴) ذیابیطس نامہ

(۵) تجرباتِ طبیب

(۶) قلب اور صحت

(۷) دق و سل (اسباب، علامات اور علاج)

(۸) ہمدرد مطب

(۹) صحت اور درسگاہ

(۱۰) سائنس اور معاشرہ

(۱۱) حیات جنسی

(۱۲) ایڈز

(۱۳) **اخلاقیات طبیب** : حکیم سعید نے مختلف عنوانات کے تحت وہ تمام اخلاقی رہنمائیاں رقم کر دی ہیں جن سے ایک معالج کو واسطہ پڑتا ہے اس دور میں یہ کتاب ہر طریق علاج کے حامل ہر طالب علم کے لئے ایک اخلاقی معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔اپنے معنوی معیار کی طرح خوبصورت گیٹ اپ کی حامل اس کتاب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ایک سچے معالج کی زندگی سراپا اخلاق ہونی چاہیئے۔

۱۴۔ **ہمارے عظیم سائنسدان** : یہ تیرہ عظیم مسلم سائنسدانوں کے حالات زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ یہ باتصویر خوبصورت اور معلوماتی کتاب ہے۔

۱۵- اعضا بولتے ہیں : یہ جسم انسانی کے ہر ہر عضو کی آپ بیتی ہے- یہ بڑے پیارے انداز میں نونہالوں اور جوانوں کے لئے لکھی گئی ہے- یہ ایک معلوماتی کتاب ہے- ہر نوجوان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے جسم میں کیا کیا اعضا ہیں اور ہر ہر عضو کیا اور کس طرح کام کرتا ہے-

۱۶- میڈیسن ان چائنا : نومبر ۱۹۶۳ء میں آپ ایک چھ رکنی وفد کے سربراہ کی حیثیت سے چین گئے -واپسی پر آپ نے اپنے مشاہدات و تاثرات کو میڈیسن ان چائنا کے نام سے تحریر کیا- یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں منظر عام پر آئی جسے پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا-اس کے بارے میں اہل چین نے کہا "حکیم سعید نے وہ کام کیا ہے جو اہل چین میں سے کوئی بھی نہ کر سکا"-

د- سفر نامے :

سفر نامے ہر دور میں لکھے گئے اور تاریخ کا حصہ بنتے رہے- اہل یونان و روما کے سفر ناموں کے بعد قدیم چین کے سیاحوں کی تحریریں آئی ہیں- مارکو پولو، ابن بطوطہ، مقدونی، اور دیگر سیاح تاریخ میں اس بنا پر زندہ ہیں کہ ان کے سفر ناموں نے اس دور کی تاریخ کو زندہ رکھا- سفر نامہ یا سیاحت نویسی ہر زمانہ میں ایک پسندیدہ مشغلہ رہا ہے اور ہر عہد میں ان تحریروں کو بڑے شوق سے پڑھا جاتا رہا ہے- سر سید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی کے سفر ناموں میں مقصدیت معلومات اور اپنے نقطہ نظر کی اہمیت کو زیادہ مقام دیا گیا ہے- حکیم محمد سعید کے سفر نامے بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں-

یہ سفر نامے تعداد میں بھی کافی ہیں اور تحریر کے لحاظ سے بھی منفرد ہیں-ان کا انداز بیاں سادہ اور تعمیری ہے- ہر سفر نامہ قاری میں یہ تحریک پیدا کرتا ہے کہ وہ کچھ کر کے دکھائے اور اپنے فرائض کو پورا کر کے قوم و ملک کی خدمت کرے- فکر جوان، امریکہ، کینیڈا اور لندن کے دوران سفر کی تحریر ہے- یہ سفر نامہ کم اور فکر نامہ زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک روزنامچہ اور تاثر نامہ ہے- یہ نوجوانوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے-

حکیم محمد سعید کے سفرنامے یہ ہیں :-

(۱) داستان حج
(۲) جاپان کی کہانی
(۳) داستان لندن
(۴) داستان امریکہ
(۵) داستان جرمنی
(۶) کوریا کہانی
(۷) یہ ترکی ہے
(۸) تین دن بغداد میں
(۹) لندن اور کیمبرج
(۱۰) اٹلی میں تین دن
(۱۱) بحر اوقیانوس کے پار
(۱۲) سعید سیاح چین میں
(۱۳) سعید سیاح تیونس میں
(۱۴) سعید سیاح قاہرہ میں
(۱۵) سعید سیاح فن لینڈ میں
(۱۶) سعید سیاح سری لنکا میں
(۱۷) سعید سیاح تہران میں
(۱۸) سعید سیاح شیراز میں
(۱۹) سعید سیاح ٹورنٹو میں
(۲۰) سعید سیاح نیویارک اور واشنگٹن میں
(۲۱) سعید سیاح ڈھاکہ میں
(۲۲) سعید سیاح عمان میں

(۲۳) سعید سیاح قطر میں

(۲۴) ارض قرآن

(۲۵) سعید سیاح کویت میں

(۲۶) ایک مسافر چار ملک

(۲۷) سفر روس

ر- نونہال ادب :

حکیم محمد سعید کو مظاہر قدرت، نظام فطرت، اور بچوں سے بہت زیادہ پیار تھا- ان کا نظریہ تھا کہ تعلیم و تربیت کے ذریعے وہ بچوں کو ایک اچھا اور کار آمد شہری بنا سکتے ہیں- اسی بنا پر آپ نونہالوں کی تعلیم و تربیت پر بہت زیادہ توجہ دیتے رہے اسی مقصد کے حصول کے لئے آپ نے نونہالوں کے لئے بہت زیادہ لٹریچر چھوڑا ہے- جو سب کا سب اپنے اندر اخلاقی و روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے- حکیم محمد سعید کو اس بات پر فخر تھا کہ انہوں نے نونہالوں کی ایسی تعلیم و تربیت کی ہے کہ وہ انقلاب لانے کے قابل ہو چکے ہیں-

"ہمدرد مطبوعات" میں بچوں کے ادب کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے- اس میں حکیم سعید کی کئی کتابیں شامل ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

(۱) نقوش سیرت حصہ اول تا پنجم

(۲) نور کے پھول

(۳) اقوال زریں

(۴) کہکشاں

(۵) سچ بولو

(۶) قرینہ حیات

(۷) نماز پڑھیے

(۸) نونہال دینیات حصہ اول تا ہشتم

(۹) عروس القرآن- سورۃ الرحمٰن

(۱۰) صراط مستقیم

(۱۱) جاگو جگاؤ

(۱۲) چند مشہور طبیب اور سائنسدان

(۱۳) کتاب دوستاں

(۱۴) ایک واقعہ جو مجھے پسند ہے

(۱۵) آپا صحت کی فکر کریں

(۱۶) بچوں کے حکیم محمد سعید

یہ اور بہت سی دیگر کتب ہیں۔ یہ سب بڑی پیاری باتصویر اور پر تاثیر ہیں۔

رسائل و جرائد :

حکیم محمد سعید ایک ہشت پہلو شخصیت کا نام ہے۔ انہوں نے زندگی میں اتنے زیادہ کام کیے ہیں کہ ایک عام انسان انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے انہوں نے اپنی صحافتی زندگی میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ پاکستان میں "ہمدرد دواخانہ" کی بنیاد رکھنے اور اپنے عظیم مقصد کا آغاز کرتے ہی سب سے پہلے "ہمدرد صحت" کا اجراء کیا جو صحت کے موضوع پر ایک گرانقدر جریدہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے متعدد جرائد و رسائل کا اجراء کیا جن کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"اخبار الطب" کا اجراء یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو کراچی سے ہوا۔ یہ ماہنامہ ہے۔ ابتدا میں اس کا سائز چھوٹا تھا بعد میں اس کے سائز میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

ماہنامہ "جریدہ ہمدرد" بھی جاری کیا۔ "خبرنامہ ہمدرد" بھی جاری کیا۔ "خبرنامہ ہمدرد" ایک ماہنامہ ہے جو گزشتہ تیس سالوں سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

انگریزی میں اس وقت ہمدرد کے تین جرائد شائع ہو رہے ہیں۔

۱۔ ماہنامہ میڈیکل ٹائمز

۲- سہ ماہی میڈیکس

۳- سہ ماہی ہمدرد اسلامیکس

بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے "ہمدرد نونہال" ایک ماہنامہ ہے جو بے حد پیارا اور دلچسپ ہے- اس میں بچوں کی ہر طرح سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے- اس کو حکیم صاحب نے بچوں کے لئے ایک معیاری، حیات آموز اور دلچسپ جریدہ بنانے میں شب و روز محنت کی-

جرائد کی دنیا میں "یونیسکو پیامی" اپنی نوعیت کا واحد جریدہ ہے- یہ یونیسکو کے مشہور عالمی جریدے کوریئر کا اردو ایڈیشن ہے جو دنیا کی کئی زبانوں میں ہر ماہ طبع ہوتا ہے- اس کی افادیت کے پیش نظر حکیم سعید نے اس کو اردو میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا- اس کا "یونیسکو پیامی" نام رکھا- "پیامی" کی افادیت کے مطابق پذیرائی نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی موزونیت اور مستقل اہمیت کی بنا پر جاری ہے-

ماہنامہ "آوازِ اخلاق" کا اجراء ایک تحریک کے طور پر کیا گیا جس کا مقصد عوام میں اخوت و محبت، اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور اخلاق و کردار کو سنوارنا ہے اس کو ایک تنظیم کی شکل بھی دی گئی- اس سلسلے میں کئی کانفرنسیں اور اجتماعات ہو چکے ہیں- نوجوان نسل کو جن میں اہم مقام دیا گیا-!

مطبوعات ہمدرد

ہمدرد اکیڈمی کے تحت حکیم محمد سعید نے کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔بعد میں جب ہمدرد فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا تو یہ کتب ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کے زیر اہتمام طبع ہونے لگیں۔ تقریباً چالیس برس سے اشاعت کتب کا سلسلہ جاری ہے۔ہمدرد نے تقریباً ہر موضوع پر کتب شائع کی ہیں۔علم و ادب، طب و صحت، سائنس، دین اسلام، ثقافت، تعلیم، سفر نامے، تاریخ، اور بچوں کی کتابیں غرضیکہ ہمدرد نے تمام اہم اور مفید علوم و موضوعات پر کتابیں شائع کی ہیں۔ان کتب میں حکیم محمد سعید کی ذاتی تصانیف و تالیفات بھی شامل ہیں جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

مطبوعات ہمدرد کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔اہم کتب کی فہرست پیش کی جارہی ہے۔

"مرسل آخر ﷺ" قمر ہاشمی کی طویل نعتیہ نظم ہے۔"ہشت بہشت" سید یوسف بخاری "پیغام اسلام" پروفیسر کرم حیدری۔"اسلام میں سائنس اور تہذیب" سید حسین نصر "زمین، چاند، سیارے اور ہماری کائنات" علی ناصر زیدی کی سائنسی کتابیں۔"حکیم احمد شجاع اور ان کا فن" اے بی اشرف کتابیں ہیں "چمن اپنا" عبدالمجید قرشی "شعلہ سنگ" کوثر چاند پوری "گاما۔رستم پہلوان" خواجہ محمد شفیع "مادر ہمدرد" خواجہ حسن نظامی، اطبائے عہدِ مغلیہ از کوثر چاند پوری، "انسان اور امن" از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "انسان عہد بہ عہد" از ڈاکٹر یونس حسنی، "سائنس رحمت یا زحمت" انوار احسن صدیقی، سفر نامہ ابن بطوطہ از رفیع الزمان زبیری، آزادی کی جنگ از عشرت رحمانی، اسلام کے جان نثار از رفیع الزمان زبیری، ہمارا دین

زبیری، آزادی کی جنگ از عشرت رحمانی، اسلام کے جان نثار از رفیع الزمان زبیری، ہمارا دین از سید شہاب الدین دستوری، امت کی مائیں از حسین حسنی، ابابیل کا تحفہ از ناہید خان، روشنی ہی روشنی از مرزا ادیب، "ہیروں کے چور" از ظفر محمود کے علاوہ اور کئی اہم کتابیں مطبوعات ہمدرد میں شامل ہیں۔

حکیم محمد سعید کو بچوں سے جو محبت تھی وہ ضرب المثل سے کم نہیں ہے اسی بنا پر آپ نے خود بھی بچوں کے لئے کتابیں تحریر کیں اور دیگر اصحاب کی بچوں کے لئے لکھی ہوئی کتب بھی خوبصورت انداز میں طبع کرائیں۔ ان کتب کی تعداد ساڑھے چار سو کے لگ بھگ ہے۔ یہ سب بچوں کی سیرت کی تشکیل کے لئے بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر تحریر کی گئی ہیں۔

شہادت حکیم محمد سعید

کراچی جو کبھی عروس البلاد تھا بلاشبہ چند برس سے عروس القتال بنا ہوا تھا۔ اس میں روزانہ کئی کئی انسانوں کا خون ہوتا رہا۔ دہشت گرد جب اور جس وقت چاہتے کسی بے گناہ انسان کو قتل کر دیتے چنانچہ رئیس امروہوی، محسن صدیقی، محمد اصلاح الدین، منظر امکانی اور بہت سے ادیب، شاعر اور دانشور بھی اس دہشت گردی کا شکار ہوئے جن میں حکیم سعید کی ذات گرامی بھی شامل ہے۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کی صبح کو حکیم سعید نماز کے بعد اپنے مطب کو روانہ ہو گئے وہاں پہنچے تو دہشت گردوں نے آپ پر فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ یہ اس عظیم شخص کا قتل تھا جس نے تمام عمر نوع انسان کی بھلائی کے لئے کام کئے جو دنیا کے لوگوں کے بلا کسی امتیاز کے دکھ اور درد دور کرتا رہا جس کا جینا قوم و ملک کی فلاح و بہبود کے لئے تھا وہ مرتے ہوئے بھی قوم پر نثار ہو گیا یہ اس کا گناہ تھا۔ "ظالمو! پاکستان کو نیلام نہ کرو، بیرونی ممالک کے بینکوں میں جمع کرایا ہوا سرمایہ لاؤ، قوم و ملک کا قرضہ ختم کرو۔ نصاب تعلیم کو بدلو۔ صحت و طب کی پالیسیوں کو بدلو۔ غیروں کی بجائے ملک و قوم کے لئے کام کرو۔ کمیشن کی وبا سے ملک و قوم کو بچاؤ" ایسے پاکستانی ذہن کو ملک دشمن عناصر کیسے برداشت کرتے۔ وہ کچھ ہوا جس کا خطرہ تھا لیکن ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(مولانا ظفر علی خان)

ملت اسلامیہ کی بقا کا راز ایسے ہی عظیم انسانوں کی قربانیوں میں پنہاں ہے جب تک اس قسم کے جان نثار دنیا میں آتے رہیں گے ملت اسلامیہ قائم و دائم رہے گی- لیکن یہ مقام و درجہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا یہ مرتبہ انہی کو ملتا ہے جن کی زندگیوں کا مطلب و مقصد سر فرازی قوم و ملت اور وطن عزیز ہے- اللہ تعالیٰ حکیم سعید کو اپنی بے پایاں رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس مقام کرے-!

حکیم محمد سعید کے بہیمانہ قتل پر ممتاز ادیب، شاعر اور دانشور جناب احمد ندیم قاسمی مدیر "فنون" نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا:

حکیم محمد سعید شہید کی سی محترم و محبوب شخصیت کا قتل دراصل پاکستان میں علم، تعلیم، تہذیب، شائستگی، ایثار شرافت، غرض ان تمام اقدار کا قتل ہے، جو ہم سب کو عزیز ہیں اور حکیم محمد سعید کی شخصیت میں جن کی تجسیم ہو گئی تھی- یہ صرف ایک شخص کا قتل نہیں، ایک طرح سے پاکستان کی شناخت کا قتل ہے- پاکستان کی تاریخ کے وہ صفحات ہمیشہ خون آلود رہیں گے جن میں حکیم صاحب کی شہادت کا تذکرہ ہو گا- یہ قتل ہمارے معیار و فن کا قتل ہے اگر حکیم محمد سعید کی سی ہمہ گیر شخصیت کو اتنی آسانی سے قتل کیا جا سکتا ہے تو پھر اس مملکت خداداد میں کون محفوظ ہے ؟- اللہ تعالیٰ حکیم محمد سعید کی روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!

(سہ ماہی "فنون" لاہور شمارہ ۱۰۹۰

(جولائی ۱۹۹۶ء تا مارچ ۱۹۹۹ء)

حکیم سعید کی ادبی فکر

شعر و شاعری اور ادب کا ذوق ہر ایک انسان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ بعض کچھ ریاضت اور محنت کے بعد ان میں طاق ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس جانب توجہ ہی نہیں کرتے تو ان کے اندر کا یہ ملکہ رفتہ رفتہ ماند پڑ جاتا ہے۔ لیکن ہر شخص کے اندر ادبیت موجود ضرور ہوتی ہے۔ حکیم محمد سعید جو بہت بڑے ادیب بھی تھے جس کا برملا اظہار ان کی جلیل القدر تصانیف سے ہوتا ہے۔ فطری طور پر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا کبھی انہوں نے شاعری بھی کی ؟ اس قسم کا ایک سوال جناب خالد صدیقی "بزم علم و فن" اسلام آباد نے حکیم صاحب سے یوں کیا تھا:-

"آپ نے تقریباً ہر موضوع پر نثر کی عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ شاعری کی طرف رجحان کیوں نہیں ہوا؟ آپ پاکستان کے مجموعی ادب نثر و نظم کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور ان دنوں جو کتابیں دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں آپ کے خیال میں کیا یہ ملک و ملت کے لئے فائدہ مند ہیں ؟"

حکیم سعید نے اس تفصیلی سوال کا جواب "آواز اخلاق" یکم مئی تا ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء میں یوں دیا :

"میری توجہ شعر پر اس لئے نہیں ہوئی کہ قرآن مجید میں میں نے شعراء کے بارے میں اچھے الفاظ نہیں پڑھے۔ بہ ایں ہمہ دورِ اسلامی میں عظیم شعراء نے وجود حاصل کیا اور تعمیری کام کئے۔ میں شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتا ہوں اور طرف دارِ غالب ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ اشعار انقلابات برپا کرتے ہیں مگر مجھے وہ فرصت نہیں ملی کہ میں یکسو ہو کر فکر کر سکتا۔ پاکستان میں آج رگ گل سے بلبل کے پر باندھنے کا وقت نہیں ہے آج ہمیں وہ شعر و ادب چاہیے جو فکری انقلاب برپا کر دے اور غیر صحیح قیادت اور کاذب سیاست بھکی ہوئی صحافت، مشترکہ امامت اور مرتکز دولت کے پرخچے اڑا دے۔ آج اس فکر و خیال کے بغیر جو بھی شعر و ادب ہے وہ سب لا یعنی ہے ہم غلامیوں میں جکڑے جا رہے ہیں ہماری شاعری و ادب کو آزادی کے لئے فکر کرنا چاہئے۔ ان حالات کا مقابلہ شعر و ادب سے کرنا چاہیے جو پاکستان کو نیلام پر چڑھا رہے ہیں"

اسی طرح محترم پروفیسر اکرم طاہر نے اپنی دو کتابیں "موسم اندر اور باہر کے" اور "شام کی دہلیز" آپ کو ارسال کیں تو ان پر تبصرہ تو نہیں کیا البتہ عمومی جواب یوں رقم کیا:۔

"یہ تناظر کراچی آپ کے اشعار میں نے پڑھے اور بار بار پڑھے ضمیر لرزاں ہوا۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے ہم نے کس بے دردی کے ساتھ نمازیوں کو لہولہان کیا ہے۔ کس سنگ دلی سے جسم مسلم کو گولیوں سے پاش پاش کیا ہے؟

حیرت ہوتی ہے کہ کیا انسان یہ سب کچھ ایک انسان کے ساتھ روا رکھ سکتا ہے؟ آج دنیا کا ہر ٹیلی ویژن ہماری شقاوتوں کے نمونے عالم کو دکھا رہا ہے۔ ہر ذہن میں یہ سوال آ رہا ہے کہ کیا واقعی ہم انسان ہیں؟ یا حیوانوں سے بھی بدتر کوئی مخلوق ہیں؟" کراچی کی سیاستِ کاذبہ نے قتل عام کیا ہے مسلمان ہے کہ مسلمان کو مار رہا ہے۔ مہاجر ہے کہ مہاجر کو قتل کر رہا ہے۔ انسان ہے کہ انسان پر ظلم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے؟ آخر یہ سیاست کیا ہے؟ کس نے ہمیں قاتل انسان و انسانیت کر دیا ہے ----- پاکستان سے عدم محبت کی یہ انتہا ہے۔ آزادی سے فرار کی یہ انتہا ہے خودی سے صرف نظر اور خودداری سے غفلت کی یہ انتہا ہے"۔

پروفیسر صاحب! آپ کے یہ اشعار پاکستان کے اخبارات نہیں چھاپیں گے۔ ان کے قلم مقدس نہیں رہے ہیں۔ ان کے فکر و ذہن گروی رکھ دیئے گئے ہیں۔ غیر ملکی مصنوعات کے ایک ایک صفحے کے اشتہاروں نے ان کے منہ بند کر دیئے ہیں۔ اب پاکستان میں امریکہ کی مرغیاں کھائی جائیں گی۔ اٹلی کے پراٹھے کھائے جائیں گے۔ اب مشروباتِ

یسود نوش جاں کئے جاتے ہیں"

یہاں پر یہ بات واضح کر دینے کے قابل ہے کہ حکیم سعید بنیادی طور پر "ادب برائے زندگی" کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ ادب افادی نوعیت کا ہو وہ ایک انٹرویو میں خود کہتے ہیں۔

"جو مجھ پر گزرتا ہے اور جو مشاہدے میں رہتا ہے اسے ہی تحریر میں لاتا ہوں۔ اسی لئے ادب کی دنیا میں واقعاتی ادب کے حوالے سے پہچان ہے میرے تین سو مقالے "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں قرآن کے مفاہیم کو جدید دور کے تقاضوں اور زبان میں بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ ادب کے افادی پہلو کو سامنے رکھا ہے ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے زندگی کے شعار کو اپنایا ہے۔"۳

قیام پاکستان کے بعد ہم پر لازم تھا کہ ہم ایسا ادب زیادہ تخلیق کرتے جو تعمیر وطن یا تشکیل وطن کے لئے ممد و معاون ہوتا پاکستان "دو قومی نظریہ" پر وجود میں آیا تھا' بھارتی کانگریس متحدہ قومیت کے بل بوتے پر ہمیں غلام رکھنا چاہتی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ پاکستان میں ایسا ادب تواتر سے تخلیق ہوتا جس سے دو قومی نظریہ کی ترویج اور تحریک پاکستان کو تقویت ملتی لیکن ہمارے اکثر ادباء و شعراء نے اس طرف توجہ ہی نہ دی بلکہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بھارتی نظریہ متحدہ قومیت کے پرچارک بن بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری سوچیں اور فکر پاکستانی نہ بن سکیں جس کا رونا حکیم سعید بار بار روتے رہے۔

"اب چشم گناہگار نے دیکھا کہ پاکستان میں چار قومیتوں۔ پنجابی، سندھی، خیبر ستانی (سرحدی) اور بلوچی نے باہم محبت، الفت، یک فکری اور یک جہتی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ گزشتہ پچاس سال سے یہ اس نکتے پر متحد نہ ہو سکے کہ پاکستان ایک ہے ایک ہے تو دنیا کی سب سے بڑی ریاست اسلامی ہے۔ اگر قومیتوں کے یہی تکراور ہے تو پاکستان کا مرتبہ بلند مخدوش ہو جائے گا"۴۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حکیم محمد سعید "ادب برائے زندگی" یا مقصدی ادب

کے مؤید تھے اسی بنا پر وہ ترقی پسند ادب کی تائید کرتے رہے وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :-

"مزاحمتی یا ترقی پسند ادب کو جو نئے معنے ہم نے پہنا دیئے ہیں وہ کسی طور انصاف نہیں اس سے ترقی پسند ادب کے بارے میں ایک مادر پدر آزاد ادب کا تاثر پیدا ہوا ہے۔ بس دل کی بھڑاس نکال دی جاتی ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ شاعری میں توازن بھی بر قرار ہے یا نہیں۔ میں یہاں موبائل ٹیلیفون کی مثال دینا پسند کروں گا۔ دنیا بھر میں اس وقت آٹھ ملین سے زیادہ موبائل ٹیلیفون زیر استعمال ہیں۔ موبائل ٹیلیفون سے مائیکروویوز خارج ہوتے ہیں جس سے انسان کے ذہنی توازن کے بگڑنے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ انسانی زبان میں یہ کہنا بہتر رہے گا کہ ہم پاگل بننے کا بہترین نسخہ موبائل ٹیلیفون کی صورت میں ہر وقت اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جس سے ذہنی صلاحیتیں متاثر ہو رہی ہیں۔ موبائل کے معاشرتی عیب الگ ہیں------اس کے غلط استعمال سے انسان پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ترقی پسند ادب کی اصطلاح جن کے لئے استعمال ہوتی تھی ہمارے آج کے ادیب اس اصطلاح کو سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے خود کر رہے ہیں۔ فیض احمد فیض نے مادر پدر آزاد شاعری نہیں کی۔ فیض نے تو ادب کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ فیض کے ساتھ میں ایک عرصہ تک روس میں رہا ہوں۔ فیض اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم نے روس کا ساتھ چھوڑ کر بڑی غلطی کی۔ اگر پاکستان امریکہ کی غلامی کو خیر باد کہہ کر روس پر توجہ دیتا تو ہم اپنے ادب کے ذریعے روس کے عوام اور اس کے نظام کو متاثر کر سکتے تھے۔ ماسکو میں آج بھی نمازیں پڑھائی جاتی ہیں میں نے خود عید کی چھ نمازیں روس میں پڑھی ہیں۔

روس کے سرخ انقلاب کے بعد جب رشین اور امریکن بلاک بنے تو ہم روس کے پڑوسی ہونے کے باوجود امریکہ کی جھولی میں جا گرے ہم نے اپنے پڑوسی ملک کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ روس کی قوم سے ایک بڑی غلطی ہوئی حالانکہ ان کا معاشی نظام خالصتاً اسلامی معاشی نظام تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نہیں بلکہ لینن کی پرستش شروع کر دی یہی روس کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہے ہیں ہم چاہتے تو روس میں اسلام

کو کافی فروغ حاصل ہو سکتا تھا۔لیکن خود سازشوں کا شکار رہے روس اسلام کے بہت قریب تھا ڈاکٹر اقبال کی یہ بات قطعاً درست ہے کہ کمیونزم کا معاشی نظام + اللہ = اسلام، اسلام ایسے ہی معاشی نظام کا علمبردار ہے"۵۔

اس سے حکیم سعید کی یہ بات بڑی خوبی کے ساتھ عیاں ہوتی ہے کہ وہ اسلام کو بنو امیہ اور بنو عباس کے بجائے خلافت راشدہ کے تناظر میں دیکھتے ہیں جس میں اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہونے کی بجائے فلاح انسانیت کا نظام تھا وہ ایک انسانیت پرور نظام تھا۔

موجودہ دور میں جو ادب تخلیق ہو رہا ہے۔اس پر رائے زنی کرتے ہوئے فرمایا:

"ادب برائے ادب ہی تخلیق ہو رہا ہے اس سے کون مطمئن ہو سکتا ہے انقلابی شعراء میں صہبا اختر پسند تھے لیکن وہ بھی دنیا چھوڑ گئے۔ موجودہ ادب کا عنوان تعمیر نہیں ہے اردو ادب کے موجودہ دور کے بڑے بڑے نام تعمیری ادب سے محروم ہیں ادیب کو چاہئے کہ وہ انقلاب کی بات کرے۔اس سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ کر جگائے۔ان کو غیرت دلائے۔ایسا ادب تخلیق ہونا چاہئے جس سے فرانس کا انقلاب برپا ہوا تھا"۔

حکیم محمد سعید کی زندگی کا عنوان جدوجہد رہا۔اسی عنوان کے تحت وہ زندگی کے ہر پہلو کو دیکھتے تھے۔اگر کوئی فقرہ، شعر یا ادب پارہ عمل و حرکت، محنت و کاوش اور جہد مسلسل کی تعلیم دیتا تو انہیں پسند آتا۔اس کے برعکس اگر کوئی علمی و ادبی کاوش انسان کو کاہلی و سستی، ضعف و اضمحلال اور زوال و انحطاط کا سبق دیتی اس کو وہ انسانی خودی، خودداری، عزت نفس اور درجہ انسانیت کے لئے مضر خیال کرتے وہ تعمیر و ترقی، انقلاب اور جوش و ولولہ کو مستحسن اور زندگی کے لئے لازمی خیال کرتے تھے۔اسی بنا پر وہ ادب کے تعمیری و انقلابی پہلو کو استحسان کی نظر سے دیکھتے تھے۔اس پہلو سے آپ اقبالؒ کے ہمنوا اور مؤید ہیں۔ ہر خود ساز شخصیت کی طرح وہ محنت و کاوش کو زندگی کا اہم ترین عنصر خیال کرتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ آوازِ اخلاق یکم مئی تا ۱۵ مئی ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۸-۱۷

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۶-۱۵

۳۔ کتاب سعید، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان صفحہ ۳۶-۳۳۵

۴۔ آوازِ اخلاق یکم اپریل تا ۲۰ اپریل ۱۹۹۸ء صفحہ ۲

۵۔ کتاب سعید صفحہ ۳۸-۳۴۷

۶۔ ایضاً صفحہ ۳۹-۴۳۸

طب مشرق

حکیم سعید کے نزدیک طب کی سب سے بڑی اور فیصلہ کن تعریف یہ ہے کہ "اس علم و فن کے ذریعے سے انسان کی صحت کا سامان کیا جائے اور حالت مرض میں شفا کا باب وا کیا جائے اس سے بہتر طب کی تعریف ممکن نہیں۔"

طب کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ وہاں سے یہ دنیائے عرب میں داخل ہوئی۔ مسلم اطباء نے طب کی عظمتوں کا سامان کیا اور ایک فن کی حیثیت سے طب کو مغرب میں پہنچایا۔ جس طرح کسی علم و فن کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اسی طرح طب کی بھی انتہا نہیں چونکہ یہ علم انسان کی صحت سے متعلق ہے اور انسان کی صحت کو لامحدود عوارض و امراض لاحق ہوتے رہتے ہیں لہٰذا طب کو بھی اپنی اصل میں لامحدود ہونا پڑے گا۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ مغربی طب بام عروج کو پہنچ چکی ہے۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عصری طبی سائنس نے جسم انسانی اور اس کے وظائف و افعال کو کاملاً سمجھ لیا ہے۔ کاملاً تو بڑی بات ہے حکیم سعید کے بقول "آج دنیا کا کوئی صاحب فہم انسان جسم انسانی کی دس فیصد فہم کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا"

بلاشبہ طب مغربی نے بہت ترقی کی ہے۔ لیکن بیماریوں کے حقائق سے ابھی تک نابلد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا رجحان طب مشرق کی طرف زیادہ ہے۔ لوگ اس کا کھلے دل سے استقبال کر رہے ہیں دنیائے عرب نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا ہے۔ وہ اپنے ورثۂ ملی

کے احیاء کا عاقلانہ اور مدبرانہ انداز سے کر رہے ہیں - استنبول میں جو "کانفرنس عالمی طب اسلامی" منعقد ہوئی اس میں حکیم محمد سعید نے بھی شرکت کی تھی اس کا افتتاح ترکی کے وزیر اعظم نے ان الفاظ میں کیا :

"مغرب میں کوئی ایسا ادارہ نہیں جس میں طب موضوع فکر نہ ہو- عالمی ادارہ صحت نے اس امر کی افادیت کو تسلیم کر لیا ہے- میں نے ساری دنیا کو طب کا قائل کر دیا-" ۱-

حکیم سعید نے اپنی ہمت کوشش، جانفشانی اور نت نئے انکشافات کے ذریعے سے طب مشرق کو دور دور تک متعارف کرایا- عالمی ادارہ صحت کو طب کی افادیت سے آگاہ کیا اور تقریباً ساری دنیا کو اس کا قائل کرایا- ان کی اس خدمت عالیہ کو اہل مغرب نے بھی تسلیم کیا- اور انہیں اعزازات سے نوازا- پاکستان میں آپ کو وزیر طب بنا کر طب کی عظمت کو تسلیم کیا گیا- بے شک کم فہم لوگوں نے اپنی کج ادائی اور کم مائیگی کی بنا پر ان کی عظمت و رفعت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں بھی کیں- لیکن اکثر حالتوں میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا-

حکیم سعید کے مطابق "طبّی دوائیں "سالم انسان" کے لئے تیار ہوتی ہیں یعنی طب نے انسان کو روح اور مادے کا مرکب قرار دیا ہے- طبّی دواؤں میں نقصانات کے پہلو نہ ہونے کے برابر ہیں- اس کے برعکس طب مغربی انسان کے روحانی وجود سے انکار کر چکی ہے اور اسے محض ایک مادہ قرار دے کر اس سے وہ سلوک کرتی ہے کہ جو انسان کے شرف کے منافی ہے پھر ان میں قدر مشترک کہاں ؟ اگر طبّی درسگاہوں کو معیار آشنا کر دیا جائے اور ان کی ضروریات عصری فراہم کر دی جائیں تو سرجری تو ان کا ورثہ ہے- قاسم زہراوی سب سے پہلے مسلم جراح تھے جس پر دنیا ناز کرتی ہے جس کے آلات جراحی اور اصول جراحت آج بھی جدید ہیں اگر تعلیم طب کا موجودہ فرسودہ اور انائیانہ نظام بدل جائے تو سرجری ان کے نصاب میں داخل ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے اگر ہم اپنی فکر کا انداز مثبت کر لیں اور احساس کمتری کی گرفت سے نکل آئیں تو ہمیں طب کو بنیاد قرار دے کر اس میں عصری طب کو سمونے کا مزاج حاصل ہو سکتا ہے" ۲-

ماضی میں طب نے جڑی بوٹیوں (نباتات) کو اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلم اطباء نے نباتات کے میدان میں جو تحقیقی کام کئے ہیں وہ مغرب کے لئے حیران کن رہے ہیں اور آج بھی ہیں ان کی تحقیق و فکر کو آج کی عصری تحقیق نے کبھی رد نہیں کیا بلکہ ہر میدان میں اس کی تائید ہی کی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اس دنیا میں بھیجا اور اس کرہ ارض پر قدم رکھا تھا تو جنگلی جانوروں کے ساتھ ساتھ یہ نباتات ہی تھے جنہوں نے اس کا استقبال کیا۔ انسان نے بھی دیگر جانوروں کو دیکھتے ہوئے نباتات کو ہی اپنی اولین خوراک بنایا اور مختلف درختوں کے پھل ایک مدت تک اس کی خوراک رہے۔ نباتات کی یہ اہمیت آج بھی مسلمہ ہے۔ انسان کا نباتات سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ یہ انسان کی پرورش اور نمو کا ایک ذریعہ ہیں۔ لازماً ان نباتات میں ایسے عناصر اور اجزاء موجود ہیں جو انسان کا اندرونی بیماریوں یا خرابیوں سے دفاع کرتے ہیں اسی سوچ اور فکر نے علم طب کو وجود دیا جسے مسلمانوں نے نہایت صحت کے ساتھ کمال کو پہنچایا۔ آج بھی علم طب کی بنیادیں اسی حقیقت پر قائم ہیں۔

حکیم محمد سعید نے علم طب میں جس قدر جستجو اور محنت کی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد مسلم طب کا احیاء ہے۔ ان کا یہ ایقان و ایمان ہے کہ اسی طب میں نوع انسان کے لئے حقیقی رحمت و شفاء ہے۔ اسی بنا پر آپ کہتے ہیں :

"ہمدرد طب میں ریسرچ میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ شاید یہ ضروری ہے کہ طبی ریسرچ کا صحیح مفہوم واضح کر لیا جائے اس ریسرچ کا ہرگز یہ منشاء و مفہوم نہیں ہے کہ چونکہ یہ طب قدیم ہے اور وقت کا یہ ساتھ نہیں دے سکتی اس لئے اتمام حجت کے طور پر اس میں تحقیق کر لی جائے اور جو کارآمد باتیں یا چیزیں ہوں ان کو طب جدید میں سمو لیا جائے اور طب کا قصہ ختم کر دیا جائے۔

بیّن طور پر یہ پاکستان کے نام نہاد ماڈرن میڈیسن کے معالجین کا انداز فکر ہے۔ یہ فکر کی کجی ہے۔ مگر یہ بڑی بدمزاقی ہے کہ پاکستان میں ہر سطح پر اس انداز فکر نے مقام پایا ہے۔ درحقیقت طبی ریسرچ کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ نظریہ و فلسفہ طب پر ایک عالمانہ (سائنٹیفک)

نظر کی جائے اور مرض و صحت میں اس کا مقام متعین کیا جائے۔ ہمدرد پاکستان میں علمی سطح پر تحقیق جاری ہے اور نتائج تحقیق پر انگریزی زبان میں متعدد کتابیں اب تک شائع کی جا چکی ہیں"۔

"میں جب عوامی جمہوریہ چین گیا تو وہاں میں نے فکر کا یہ انداز پایا کہ طب چینی کو بنیاد بنایا جائے اور ہر جدید تحقیق کو نظریہ و فلسفہ طب چین کی روشنی میں طب چین میں سمو لیا جائے فکر کی یہ منہاج ورثہ ہائے ملی سے محبت پر دال ہے۔ اور اپنی خودی کے تحفظ کا سامان ہے اس کے برعکس پاکستان کا ماڈرنسٹ یہ فکر رکھتا ہے کہ طب عربی اسلامی میں اگر کوئی کام کی چیز ہے تو اسے طب مغربی میں سمو کر طب کو پاکستان میں ممنوع قرار دے دیا جائے۔ ان دونوں انداز فکر میں کس قدر بُعد ہے؟ میں نے کہا ہے کہ ہمدرد پاکستان میں "علمی سطح پر بڑی تحقیق جاری ہے اور ہمدرد انڈیا میں عملی سطح پر یہ کام جاری ہے۔ میں ان دونوں کے مابین فرق واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں"۔

"پاکستان میں طب میں تحقیق صرف اس وقت ممکن ہو سکتی ہے کہ یہاں نیک نیتی ہو، خلوص صادق ہو، محبت ورثہ ہائے ملی ہو۔ محبت و کاوش مزاج ہو۔ تعمیر وطن کا جذبہ اپنی بلندیوں پر ہو، انسان سے محبت ہو اور انسانیت کا احترام ہو۔ طبی تحقیق کی یہ اخلاقیات ہیں اس کی سائنسی ضرورت یہ ہے کہ حکیم، ڈاکٹر اور سائنسدان متحد الفکر ہوں اور متفق العمل ہوں۔ میں نے اسے اتحاد ثلاثہ کا نام دیا ہے اس اتحاد ثلاثہ کے بغیر پاکستان میں طب کے لئے کوئی تحقیق ممکن نہیں۔ حکیم اپنے علم و عمل کے نتائج مرتب کرے گا۔ ڈاکٹر تمام سریری امتحانات (کلینیکل ٹیسٹس) اور تشخیص کی تائید جدید سامان کرے گا۔ یہ دونوں اپنے نتائج سے سائنس دان کو آگاہ کریں گے اور سائنسدان کیمیائی اور فارماکولوجیکل اقدامات کرے گا۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد کوئی تحقیق بہ انداز مثبت سامنے آسکتی ہے۔ اچھا ہے کہ میں اس موقع پر ایک بات واضح کر دوں کہ پاکستان میں میدان طب میں کوئی مثبت اور ممتاز و منفرد طبی تحقیق ہرگز نہیں ہو سکتی اگر طب کو موضوع نہ بنایا جائے اس کے علاوہ تحقیق کا جو بھی میدان منتخب کیا جائے گا وہ ہمارا نہیں ہو سکتا"

انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی مسلسل مساعی اور جدوجہد کے ذریعے سے عالمی ادارہ صحت کو طب کے لئے "مسلمان" بنالیا ہے۔ ترکی، کویت، سویڈن اور دیگر ممالک نے آپ کی طبی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے "اور اعزازات سے نوازا ہے۔ صدر ایوب خان نے آپ کی خدمات طب کے اعتراف میں "ستارہ امتیاز" سے نوازا۔ لیکن وہ اس امتیاز کو کوئی قابل فخر بات تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں "میں نے پاکستان کی ہیئت حاکمہ کا طب کے میدان میں جو شاندار مقابلہ کیا تھا اس کا تقاضا اس سے کہیں زیادہ تھا۔ مگر میں اس اعزاز کو اپنے نام کے ساتھ اس لئے نہیں لکھتا کہ پاکستان میں جس عنوان پر مجھے ستارہ امتیاز عطا ہوا تھا وہ عنوان ہے کہاں؟ اب تو یہ اعزاز اس قدر ارزاں ہو چکا ہے کہ اسے اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہوئے احساس افتخار نہیں ہوتا"۔

یہ ہماری بد قسمتی نہیں تو کیا ہے؟ کہ دنیا میں جس قدر اقوام بستی ہیں انہوں نے جن اقوام سے آزادی حاصل کی ہے قدرتی طور پر انہیں حاکم اقوام سے نفرت ہے اور اس کی ہر چیز، ہر عادت اور ہر طور طریقے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک پاکستانی ایسی قوم ہے جو ذہنی طور پر آج بھی انگریز کی غلام ہے۔ انگریز یہاں کے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پال گیا ہے جن کا گوشت پوست تو پاکستانی ہے لیکن خون انگریز بہادر کا ہے۔ وہ انگریز بہادر کی ہر چیز سے اس قدر پیار اور محبت کرتا ہے جس قدر بچہ اپنی ماں سے۔ یہ ایسا طبقہ ہے جس نے نصف صدی گزر جانے کے باوجود یہاں کے پاکستانیوں کو پاکستانی نہیں بننے دیا طب کے معاملے میں بھی انگریز کا رویہ قابل نفرت تھا اس نے ہر مسلم زیر تصرف ملک میں مسلم ورثہ کو مسمار کرنے کی سعی و کوشش کی ہے۔ طب چونکہ مسلمانوں کا ایک جلیل القدر ورثہ ہے۔ لہٰذا اس کی تباہی کے لئے انہوں نے بڑھ چڑھ کر کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دنیا کے دیگر ممالک میں طب کے لئے راہ ہموار ہو رہی ہے۔ پاکستان میں اس کے خلاف ایک خاص قسم کی نفرت اور حقارت موجود ہے حکیم سعید اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

"پاکستان میں طب مشرقی کا مستقبل درخشاں اس لئے نظر نہیں آتا کہ ہم غلام ہیں۔ ہماری حکومت جکڑی ہوئی ہے۔ ہماری وزارت صحت ملٹی نیشنلز کی گرفت میں ہے جن

کے نزدیک پاکستان کو غریب رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی ہر مفید اور ہر مضر دوا اس منڈی میں جھونک سکیں۔ پاکستان میں "حکمران طب" مغرب کے "طبی حکمرانوں" کے نرغے میں ہیں نہ وہ زبان بدل سکتے ہیں اور نہ ضمیر۔ انہیں اردو زبان سے نفرت ہے۔ قومی زبان سے استغناء ہے۔ انگریزی زبان سے عشق ہے اور والہانہ محبت ہے۔ جب اغیار کے عشق میں مبتلا ہوں گے تو خودی کو فروخت کرنا ہو گا اور خودی فروخت ہو چکی ہے"۔۔۴ اسی طرح ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

"طب کو پچاس سال سے مغرب کے دواسازوں کا سامنا ہے۔ مغرب کے یہ بڑے دواساز (ملٹی نیشنز) ہرگز نہیں چاہتے کہ پاکستان کی منڈی ان کے ہاتھ سے نکل جائے اپنے اقتدار کے لئے طب اور طبیب کو بدنام کرنا ان کی صنعتی ضرورت ہے۔ جدت کے عنوان پر ان مغرب کے ظالم دواسازوں نے، جو مضر صحت و جان دواؤں کو پاکستان میں فروخت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ وزارت صحت کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور یہ وزارت جان بوجھ کر طب کو انائیت کے دائروں میں رکھنے پر مجبور ہے مغرب کے ان بے درد دواسازوں نے پاکستان کی ہر ہر وطنی انجمن کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔ اور نباتات کو پچاس سال سے "کروڈ" کہا جا رہا ہے تاکہ پاکستان میں طب "کروڈ" رہے۔۔۵

بے شک حکیم سعید نے طب اسلامی کے فروغ اور اسے اس کا صحیح مقام دلانے کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے کر کام کیا اور انہوں نے اس شعبہ زندگی کو روشن کرنے میں عملاً کوئی کوتاہی نہیں کی۔

حوالہ جات

۱- حیات سعید از ستار طاہر صفحہ ۱۱۷

۲- ایضاً صفحہ ۱۱۷

۳- حیات سعید صفحہ ۱۱۹

۴- آواز اخلاق، ۲۶ جنوری تا ۷ فروری ۱۹۹۸ء صفحہ ۹

۵- آواز اخلاق یکم تا ۱۵ دسمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۱-۱۰

ہمدرد طبیہ کالج، کراچی

حکیم محمد سعید نے ۱۹۵۸ء میں ہمدرد طبیہ کالج کراچی کی بنیاد رکھی - ۱۴ اگست ۱۹۵۸ء کو مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے اس کا افتتاح کیا - پہلے سال اس کالج میں ۳۱ طلبہ نے داخلہ لیا - سٹاف میں صرف چار اساتذہ تھے - کالج کا مالی بجٹ ارسٹھ ہزار چار سو اکہتر روپے اٹھاون پیسے تھا - ۱۹۶۲ء میں اس کالج کا پہلا گروپ فارغ التحصیل ہوا - جس کو فاضل طب و جراحت (بی ای ایم ایس) کی اسناد دی گئیں - ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۶ء تک کالج میں تعلیم حاصل کرنیوالوں سے کوئی فیس نہ لی گئی - اس کے بعد فیس مقرر کر دی گئی - قانونی مقاصد کی تکمیل کے تحت کالج اور کالج کے دستور کو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کر دیا گیا - کالج تعلیمی مسائل کے حل کے لئے اکیڈمک کونسل اور انتظامی مسائل کے لئے مجلس منتظمہ کا وجود عمل میں آیا - فروری ۱۹۶۸ء کو کالج کا الحاق بورڈ آف یونانی اینڈ آریو ویدک میڈیسن پاکستان سے ہوا - اس وقت سے اس کے سالانہ امتحانات طبی بورڈ ہی لیتا ہے -

ابتدا میں کالج میں صرف لڑکوں کو ہی داخلہ دیا جاتا تھا - ۱۹۶۷ء میں طالبات کو بھی داخلے کی اجازت مل گئی - یوں ہر میڈیکل کالج کی طرح وہاں پر مخلوط نظام تعلیم رائج ہے - کالج میں طبی بورڈ کا مجوزہ اور حکومت پاکستان کا منظور کردہ نصاب تعلیم پڑھایا جاتا ہے - جس میں طب قدیم وجدید کی علمی و عملی تعلیم دی جاتی ہے - ماڈلوں، چارٹس، فلموں، انسانی ہڈیوں کے ڈھانچوں کے علاوہ انسانی لاشوں پر تجربات کر کے تعلیم کو آسان بنایا جاتا ہے - عملی تربیت کے لئے کالج کے ساتھ شعبہ مطب بھی ہے - جہاں طلبا و طالبات کو مریضوں کی ہسٹری لکھنے، تشخیص و تجویز کے مواقع ملے - طلبہ کو زیادہ سے زیادہ تعلیم و تربیت کے مواقع

بہم پہنچانے کے لئے اور عوام کو طبی سہولتوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے مریضوں کو نہ صرف مفت ادویات مہیا کی جاتی ہیں بلکہ ان کے ضروری ٹیسٹ بھی بلامعاوضہ کئے جاتے ہیں نیز تجویز و تشخیص کی جانچ پڑتال بھی کی جاتی ہے۔ حکیم محمد سعید زندگی بھر اس تمام کام کی نگرانی خود کرتے رہے نیز طلبہ و طالبات کو اپنے مطب واقع آرام باغ روڈ میں بھی سیکھنے کے مواقع فراہم کرتے رہے۔

اس کالج میں سرجری کی عملی تربیت کے لیے شعبۂ جراحت بھی موجود ہے اس کی نگرانی ماہر حکیم کرتے ہیں۔ حکیم صاحب خود بھی اس میں دلچسپی لیتے رہے اور اپنے لیکچرز سے طلباء و طالبات کو فیض یاب کرتے ہیں۔ وہاں ایک شعبہ دواسازی بھی قائم ہے جہاں طلبہ کو دواسازی کا ہنر سکھایا جاتا ہے۔

یہ پاکستان کا سب سے بہتر طبی کالج ہے۔ یہاں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے جو کم از کم میٹرک پاس ہوں۔ فاضل طب و جراحت کا کورس چار سال میں مکمل ہوتا ہے۔ طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے لئے ملک کے نامور سائنسدان اور حکیم مقرر ہیں ان کے علاوہ مشہور و معروف سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کو مختلف مواقع پر دعوت دی جاتی ہے کہ وہ طلباء و طالبات کو لیکچر دیں۔ تاکہ ان کے علم میں اضافہ ہو۔ آرتھوپیڈک اور پیتھالوجی میں بھی ذہین اساتذہ طالب علموں کو لیکچر دیتے ہیں اس کالج کی شہرت و مقبولیت دیگر ممالک تک پہنچی ہوئی ہے۔ بیرونی ممالک سے کئی ایک وفود اس کالج کو دیکھنے کے لئے آچکے ہیں اور اس کی کارکردگی اور معیار کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔

کالج میں زنانہ اور مردانہ دو مطب موجود ہیں جہاں طالبات و طلباء کا علاج معالجہ مفت ہوتا ہے۔ نیز انہی میں طلبا و طالبات کو عملی تربیت کا سامان بھی بہم پہنچایا جاتا ہے۔ جو طلبا و طالبات اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں وظیفے اور اعزازات بھی دیئے جاتے ہیں اول آنے والے طالب علم کو بطور سکالر شپ ایک خطیر رقم عطا کی جاتی ہے کالج کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں جو ہمدرد فاؤنڈیشن برداشت کرتی ہے یہ ایک بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس کی مزید توسیع ہو رہی ہے۔ اب تک ہزاروں طلباء و طالبات یہاں سے حکیم بن کر قوم و ملک

کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ حکیم محمد سعید کا ایک بڑا کارنامہ ہے جو طب مشرق کے شعبے میں
ان کے نام اور کام کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔!

ہمدرد یونیورسٹی

ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن (طب مشرقی) ہمدرد کالج آف میڈیسن (ایم بی بی ایس) ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز، ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز، ہمدرد انسٹی ٹیوٹ فارماکولوجی اینڈ ہربل ریسرچ، ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ہارٹی کلچر، ہمدرد پبلک سکول، یہ سب کے سب ہمدرد یونیورسٹی کے ادارے ہیں ان اداروں میں تقریباً چار ہزار طلبہ کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ "ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف انفرمیشن ٹیکنالوجی" کے نام سے پاکستان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ تقریباً دس کروڑ روپے کے اخراجات سے قائم کیا گیا۔ اس میں تقریباً ایک سو نوجوانوں نے داخلہ لیا ہے۔

ہمدرد یونیورسٹی کی بنیاد جس تعلیمی فلسفے پر رکھی گئی ہے اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ اسلامی اخلاقیات کو ذہن نشین کرانا۔

۲۔ جدید سماجی ماحول میں تعلیم کے ذریعے مسلم رجحان کو تبدیل کرنا۔

۳۔ نادار طلبہ کو میرٹ کی بنیاد پر داخلے دے کر تعلیم کے مواقع فراہم کرنا۔

۴۔ اعلیٰ معیار تعلیم کا قیام جو عالمی معیارات کی کسوٹی پر پورا اترے۔

اس یونیورسٹی کی یہ شان بھی ہے کہ اس کے بانی حکیم محمد سعید نے اسے ۱۴ اگست ۱۹۹۸ء کو "نوسموکنگ یونیورسٹی" قرار دیا۔ اس کی حدود میں اساتذہ، ملازمین اور طلبا کے لئے سگریٹ نوشی ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے جو اس کی نگرانی کرے گی۔

"ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز" بھی اپنی نوعیت کا ملک کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے جہاں بی بی اے (آنرز) اور ایم بی اے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ملک کا واحد ادارہ ہے جو مینجمنٹ سائنسز میں پی ایچ ڈی پروگرام کی سہولت دے رہا ہے۔ ایم بی اے کرنے والوں کو انفارمیشن ٹیکنالوجی میں اضافی ڈگری لینے کی سہولت بھی میسا ہے!

ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام سے قائم ادارہ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ماسٹرز آف سائنس اور بیچلر آف انجینئرنگ کی ڈگری دیتا ہے۔ انڈسٹریل الیکٹرانکس اور کمیونی کیشن میں بھی بیچلر آف انجینئرنگ کی ڈگری دی جاتی ہے۔

کالج آف ایسٹرن میڈیسن بھی اپنی نوعیت کا واحد کالج ہے جہاں طب مشرقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ کالج یونیورسٹی کے قرب وجوار کے ۳۵ دیہات کے غریب لوگوں کو مفت طبی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ایک کمیونٹی ہیلتھ سروس پروگرام جاری کئے ہوئے ہے۔ اسے ڈاکٹر حافظ محمد الیاس انسٹی ٹیوٹ آف فارماکولوجی اینڈ ہربل سائنسز کی مدد حاصل ہے جو اہم جڑی بوٹیوں پر تحقیقی کام کر رہا ہے۔ اس کے کچھ تحقیقی کاموں کو عالمی سطح پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

"ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ہارٹی کلچر" کے نام سے یہ ادارہ جرمن گورنمنٹ کے تعاون سے قائم کیا گیا ہے۔ جو اب بائیو ٹیکنالوجی سینٹر برائے ہربل میڈیسن میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اسکے قیام میں جرمن ماہر ڈاکٹر ہون ہولٹز کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ سینٹر یونیورسٹی اور کمیونٹی کے درمیان رابطہ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس سینٹر کے تحت سینکڑوں کسانوں کو زراعت کی تربیت دی جاتی ہے۔ کمیونٹی ڈویلپمنٹ پروگرام کے تحت ہمدرد پبلک سکول میں شام کی کلاسیں شروع کی گئی ہیں جن میں قرب وجوار کے دیہاتی بچے مفت تعلیم پاتے ہیں۔

ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز تعلیم کے میدان میں بی ایڈ اور پی ایچ ڈی کے پروگرام چلا رہا ہے۔

مدینۃ الحکمت میں "ہمدرد پبلک سکول" سب سے پہلا قائم ہونیوالا تعلیمی ادارہ ہے اسے وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے پاکستان میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا ایک

نہایت باوقار ادارہ قرار دیا- سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے ہمدرد سکول کو پرائڈ آف پاکستان قرار دیا- صدر لغاری کے نزدیک "یہ تعلیم کا پرشکوہ مرکز ہے"- صدر غلام اسحاق خان کے نزدیک "یہ مرکز تعلیم لائق تعریف و تحسین ہے" جب کہ جنرل ضیاء الحق کے نزدیک "پاکستان میں ابتدائی و ثانوی تعلیم کا لائق قدر ادارہ ہے" اور موجودہ صدر مملکت محمد رفیق تارڑ کے نزدیک "اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں ایسے معیاری ادارے قائم ہوں جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظریاتی تربیت کے ساتھ ساتھ جدید عصری تقاضوں کو بھی خاطر خواہ اہمیت دیتے ہوں- اس اعتبار سے ہمدرد پبلک سکول ایک قابل تحسین تجربہ ہے----"

مدینۃ الحکمت

تاریخ کے صفحات میں ایک لفظ بڑی آب و تاب سے درخشاں ہے یہ لفظ ہے "بیت الحکمت" یعنی حکمت کا گھر، یہ گھر دو مسلمان خلفاء ہارون الرشید اور مامون الرشید نے بسایا تھا- اس بیت الحکمت میں دنیا بھر کے علم و ادب کے خزینے جمع کیے گئے- یونانی، ہندی، مصری اور رومی علوم و فنون کی کتب کے ترجمے ہوئے- ان میں اضافے ہوئے، اسی گھر سے علوم و فنون کا سورج چمکا جو ساری دنیا کو روشن کر گیا- آج جو آپ کو دنیا میں علم و حکمت، ادب و ثقافت اور تہذیب و تمدن کی روشنی نظر آتی ہے یہ اسی کی رہین منت ہے--

اسی کوکب کی تابانی سے ہے سارا جہاں روشن

یہ وہ نام ہے جو حکیم سعید کے دل و دماغ میں مدتوں سے گردش کر رہا تھا- اس کا خاکہ دھندلا تھا- حکیم سعید نے جب پاکستان ہجرت کی تو ایک مقصد پیش نظر تھا کہ وہ یہاں علم و حکمت کی شمع روشن کریں گے جس کی ضیاباریوں سے دنیا کی عموماً اور پاکستان کی خصوصاً جہالت و غربت دور ہو گی- ان کا ہمدرد دواخانہ جب ترقی کر کے "ہمدرد فاؤنڈیشن" بن گیا- دولت کی فراوانی آئی تو حکیم سعید کو اپنا مقصد یاد آگیا- وہ خود اس ضمن لکھتے ہیں :

"کئی سال پہلے کی بات ہے کہ دنیائے اسلام کے انسان رفاء رفیع عالی مرتبت جناب محترم شاہ فیصل معظم نے مکہ مکرمہ میں پہلی عالمی اسلامی تعلیمی کانفرنس کا اہتمام کیا اس کانفرنس میں اسلامی دنیا کے بڑے بڑے ماہرین نے شرکت فرمائی- پاکستان سے بھی ماہرین نے شرکت فرمائی، پاکستان کی کئی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر بھی تھے- جیسے جناب محترم پروفیسر ہاشم خان (پشاور یونیورسٹی) جناب محترم ڈاکٹر خیرات ابن رسا (جامعہ پنجاب)،

جناب محترم اے کے بروہی بھی تھے اور ڈاکٹر منظور احمد بھی میرے دل ودماغ میں ایک علم و حکمت کا مرکز قائم کرنے کا خیال تھا۔ سعودی عرب جاتے ہوئے ہوائی جہاز میں ایک نام ذہن میں آیا اور وہ نام تھا "مدینۃ الحکمت"۔ خیر جناب مکہ مکرمہ میں کانفرنس شروع ہوئی۔ میں تمام دن صبح نو بجے سے رات آٹھ بجے تک کانفرنس میں مصروف رہتا تھا۔ رات نو بجے اللہ کے گھر پہنچ جاتا اور پھر نماز فجر تک عبادت اور طواف و سعی میں مصروف رہتا۔ سات بجے ہوٹل واپس آجاتا------ایک رات طواف کے بعد میں نے مقام ابراہیمی پر چار سنتیں ادا کیں اور پھر وہاں ہی بیٹھ گیا۔ ہزاروں لوگ رات کو یہاں والہانہ عقیدت کے ساتھ طواف کعبہ میں مصروف اور عبادتوں میں مشغول تھے، گھنٹوں یہاں بیٹھا غور کرتا رہا------مقام ابرہیم پر خاموش بیٹھا تھا قرآن مجید ہاتھ میں تھا۔ دل نے گواہی دی کہ قرآن مجید کھولو سامنے جو دو آیات آئیں ان کو غور سے پڑھو اور پھر ان سے جو دعوت ملے اسے قبول کر کے زندگی کا راستہ بناؤ۔ میں نے تین بار درود شریف پڑھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ قرآن حکیم کھولا میرے سامنے یہ آیات آئیں :

ترجمہ : اور اے رب! خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ (البقرہ-۱۲۹)

اب راستہ مل گیا۔ ہوائی سفر میں مدینۃ الحکمت نام ذہن میں آیا تھا اب اس نام کی بھی تائید ہوگئی------اب میری نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ اب میری زندگی کا مقصد "مدینۃ الحکمت" ہو گیا"۔[۱]

عجیب و غریب اتفاق ہے، دو مسلمان جلیل القدر خلیفہ تو ایک "بیت الحکمت" آباد کریں اور تاریخ میں شہرت دوام پائیں اور یہاں جناب حکیم محمد سعید جو تن تنہا شہر حکمت آباد کرنا چاہتے ہیں اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنالیتے ہیں۔ کتنی عجیب سوچ ہے لیکن یاد رہے ایمان ایقان میں بہت بڑی قوت ہے۔ حکیم محمد سعید کے دل میں جب یہ ایمان پیدا ہو گیا کہ "مدینۃ الحکمت" وجود میں آئے گا چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے تو یہ خواب پورا ہو کر رہا۔

آپ کراچی واپس آئے رمضان المبارک کا مہینہ تھا- تقریباً پورا مہینہ کراچی میں ادھر ادھر جگہ کی تلاش میں پھرتے رہے- اس تلاش میں ڈاکٹر فرید الدین بقائی اور کبھی جناب نجم الحسن نجمی ساتھ ہوتے- لیکن کوئی کام کی جگہ نہ مل سکی- ستائیس رمضان المبارک کا دن تھا کہ صبح ایک پراپرٹی ڈیلر آگئے اور کہا حکیم صاحب میری بھی ایک زمین ہے اسے بھی دیکھ لیجیئے- آپ بقائی صاحب اور نجمی صاحب کو لے کر چلنے کو تیار ہوگئے- راہ بڑی کٹھن تھی- بڑی مشکل سے وہاں پہنچے- اس صحرا وبیاباں میں درخت ہی درخت نظر آئے- مقام حیرت تھا کہ اس صحرا میں یہ درخت اور باغ سبحان اللہ یہ حیران کن منظر دیکھ کر زمین کو پسند کرلیا-

ہند مراد خان میں یہ چار سو ایکڑ زمین کا رقبہ تھا- ایک کروڑ روپے میں خریداری ہو گئی- یہی وہ زمین ہے جو "مدینۃ الحکمت" کے لئے خریدی گئی- منصوبے کے مطابق "مدینۃ الحکمت" (شہر علم وحکمت) کے قیام وعمل پر کثیر المقاصد پیش رفت ہنوز جاری ہے- حکیم سعید مرحوم نے اس شہر علم میں ایک بے مثال مرکز اسلامی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری بھی قائم کی ہے- ایک طبّی علمی مرکز بنایا گیا ہے ہر شعبہ علم کی تعلیم کے مراکز اور درس گاہیں- عالمی اجتماعات کے لئے شایان شان سماعت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں اور (جدید ترین سازوں سامان سے آراستہ) اہلِ فضل وکمال کے قیام اور مطالعہ کے لئے خصوصی مراکز اور اعلیٰ تعلیم کے لئے بہترین یونیورسٹی کے تعمیری منصوبوں کو روبہ عمل لایا گیا ہے-

معاشی نظریات

اسلام ایک دین ہے ایسا دین جو انسانی زندگی کے ہر پہلو- معاشرت و معاش، تہذیب و تمدن، اخلاق و روحانیت، علم و ثقافت، قانون و فلسفہ، حکومت و سیاست غرضیکہ ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے- لہٰذا جس شخص نے بھی دین اسلام پر قلم اٹھایا ہے اور اسلام کو اپنے افکار و نظریات کا محور بنایا ہے- اسے اسلام کی معاشی زندگی سے ضرور واسطہ پڑا ہے- اہل اسلام نے دو طرح کی معاشی زندگی بسر کی ہے- سب سے پہلی معاشی زندگی حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی ہے- ابتدائے اسلام میں حضور ﷺ نے دولت کی قدر و قیمت کم کرنے اور دین حق کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے مہاجرین اور انصار میں معاہدہ اخوت کرایا- جس میں مہاجرین میں سے ہر ایک کو انصار کے ایک ایک فرد کا بھائی بنا دیا اور انصارین نے اپنی دولت و ثروت کا نصف اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا- یہ وہ عملی اقدام تھا جس سے دینی رشتے کو مادی رشتہ و تعلق پر فوقیت نصیب ہوئی اور ان کی نظروں میں دولت کی قدر و قیمت گھٹ گئی- رسول کریم ﷺ اور اکابرین صحابہؓ نے سادگی، کم خوری اور انکساری کے ایسے نمونے پیش کئے جو تاریخ انسانیت میں فقید المثال ہیں- ابتدا میں تو ان کی معاشی زندگی میں غربت و افلاس موجود تھی جو مجبوراً بھی ہو سکتی ہے لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہو گیا اور ہر طرف سے غنائم کے خزینے آنے لگے تو وہ دولت و ثروت کے حریص نہ بنے بلکہ ایثار و قربانی کا نمونہ بن گئے- وہ خود اپنی دولت و ثروت اٹھا کر غرباء و مساکین میں تقسیم کرنے چلے جاتے اور مدینہ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہاں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ تھا- اس بنا پر کہ ان کی پاک زندگیاں قرآن مجید کا مکمل نمونہ تھیں وہ بار بار آکر نبی کرم ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ

ہم غربا میں کس قدر اپنی دولت تقسیم کریں ؟" تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان جلیل القدر مومنین کے استفسار کا ذکر یوں کیا ہے کہ

ترجمہ : اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو۔

اس آیت کریمہ کی تشریح اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب ہم سفر میں تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک اونٹنی پر سوار آیا وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے پاس کوئی زائد سواری ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی سواری اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس زائد کھانا ہو تو اسے ان لوگوں کو دے دینا چاہئے جن کے پاس کھانا نہیں۔ حضرت ابو سعید کا کہنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مال کی بہت سی قسمیں گن ڈالیں۔ یہاں تک کہ ہم سمجھ گئے کہ ہم میں سے کسی کو زائد از ضرورت مال میں کوئی حق نہیں ہے (صحیح مسلم شریف)

اسلام کے حقیقی اور اصلی نظام کے علمبردار مسلم مفکرین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت اقبالؒ، حضرت قائداعظم اور اب آکر حکیم سعید سامنے آئے تھے۔ دیگر سب علماء نے اسلام کے ایسے نظام معیشت کو پیش کیا ہے جو سرمایہ داری کی حمایت کرتا ہے۔

حکیم محمد سعید خود ایک بہت بڑے صنعت کار تھے ان کی دولت و ثروت بے حدو حساب ہے۔ انہوں نے ہمدرد کو پاکستان کے لئے وقف کر دیا۔ ان کے نام پر کوئی زمین جائداد نہیں ہے۔ خود وہ صبح کا ناشتہ کرتے اور رات کو ساڑھے نو بجے کھانا کھاتے تھے۔ ان کے پاس چند جوڑے کپڑے تھے جنہیں وہ خود ہی دھوتے۔ بوٹوں کو خود پالش کر لیتے۔ وہ دن میں چھ گھنٹے سے زیادہ آرام نہیں کرتے تھے۔ اٹھارہ گھنٹے قوم و ملک کی خدمت میں صرف کر دیتے۔ ان کے اندر قوم کا درد بدرجہ اتم موجود تھا۔ اسی بنا پر بعض اوقات ان کی زبان حق شناس پر ایسی سچی باتیں آجاتیں جو جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ضمیر فروش سیاستدانوں کو بری لگتیں۔

اسی قومی درد اور قومی جذبے کے تحت انہوں نے "بیدار ڈائجسٹ" لاہور کی ایک رپورٹ شائع کی جس میں حکمرانوں کے دعوؤں کے برعکس پاکستان کی صورت حال دکھائی گئی ہے وہ "آواز اخلاق" میں لکھتے ہیں:

"پاکستان کی سماجی اور معاشی صورت حال کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی جس کے مطابق پاکستان کے ۵ لاکھ سے زائد بچوں کے پاس پہننے کو جوتے نہیں ہیں۔ ۷ تا ۱۹ سال کی عمر کے ۳۱ لاکھ بچے ورکشاپوں، چائے خانوں اور کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ جیلوں میں ۳۱۱۰ شیر خوار اور معصوم بچے ناکردہ گناہوں کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ اس جدید دور میں بھی پاکستان میں ۳ ہزار لوگ جن، سایہ یا اثر اترواتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔ ۱۱ ہزار اشخاص سالانہ ناقص سرسوں کے استعمال سے اندھے ہو جاتے ہیں، ۳۳ ہزار مریضوں کے گردے کشتوں کے ہاتھوں ناکارہ ہو جاتے ہیں اور ہر دو منٹ کے بعد ایک بچہ مر جاتا ہے جبکہ ہر ۲۵ منٹ کے بعد ایک عورت زچگی کے عالم میں مر جاتی ہے۔ ایڈز وائرس کے حامل مریضوں کی تعداد پاکستان میں ۸۰ ہزار سے تجاوز کر گئی ہے اور روزانہ ۷۵ افراد یرقان سے مر جاتے ہیں۔ پاکستان میں پچھلے سال ٹی بی کے مرض پر قابو پانے کے باوجود ۲۵ ہزار لوگ اس مرض کا شکار ہوئے۔۔۔۔۔ ساڑھے چار کروڑ افراد چھونپڑیوں اور معیار زندگی سے کم سٹینڈرڈ کے مکانوں میں رہائش پذیر ہیں۔ ۱۲۰۰ افراد سالانہ پولیس حراست میں مارے جاتے ہیں جبکہ ۳۵۰ سالانہ پولیس مقابلوں کی نظر ہو جاتے ہیں۔ ۶۶ ہزار قیدی اپنے فیصلوں کے منتظر ہیں۔ پولیس سالانہ ۲۱ کروڑ روپیہ رشوت میں وصول کرتی ہے۔ زرعی ملک کے ہونے کے باوجود ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ایکڑ رقبے پر کوئی فصل کاشت نہیں کی جاتی۔ پاکستان کا ۴۵ فیصد رقبہ بجلی سے محروم ہے۔ ملک میں روزانہ ۵۵ ہزار ٹن گندگی پیدا ہوتی ہے جس میں ۲۰ ہزار ٹن گندگی شہروں میں ہی گردش کرتی رہتی ہے۔ ۲ کروڑ ۳۱ لاکھ افراد پانی کی کمی کے مسائل کا شکار ہیں۔ حکومت کی عدم توجہی کی وجہ سے ۴ ہزار سے زائد بڑے کارخانے بند پڑے ہیں۔ ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ بالغ افراد صرف انگوٹھا لگا سکتے ہیں۔ ملک میں ۱۵ ہزار مریضوں کے لئے ایک ہسپتال ہے جبکہ ۹۹ لاکھ بازار سے ایک گولی بھی خرید نہیں

سکتے"

یہ پاکستان کی وہ قابل صد افسوس صورت حال تھی جس کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ یہ ہر محب وطن پاکستانی کے لئے سوہان روح ہے۔ ایسے حالات کو دیکھ کر حکیم سعید تڑپ اٹھے۔ حکومت وقت نے ایٹمی دھماکوں کے زیر اثر قوم کو خود انحصاری، کفائت شعاری اور سادگی کا درس دینا شروع کیا۔ بے شک یہ قومی سوچ رکھنے والے ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ ان سنہرے اصولوں کو اپنائے۔ لیکن سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا امراء و روسا، جاگیر دار، سیاست دان، زمیندار اور قائدین ان سب قیود سے آزاد ہیں۔ اس ضمن میں حکیم سعید لکھتے ہیں:

"ہم یہ دیکھتے ہیں، قوم کا ہر فرد دیکھتا ہے کہ اس طبقہ امراء و روسا اور اس طبقہ اہل سیاست و قیادت کے شب و روز حسب سابق ہیں۔ ان کے لیل و نہار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آخر یہ گھاس کھانے کا فیصلہ کیوں نہیں کرتے؟ آخر یہ پیٹ پر پتھر کیوں نہیں باندھتے؟ آخر یہ کیوں مادر پدر آزاد ہیں کہ اربوں روپے سالانہ پاکستان سے دوسرے ملکوں میں اپنے عیش و عشرت کو بر قرار رکھنے کے لئے منتقل کر رہے ہیں؟"

پاکستان کی معاشی تباہی و بربادی کا سب سے بڑا عنصر کمیشن ہے۔ جو غیر ملکی تاجر یا فرمیں خریدار کو دیتی ہیں۔ حکیم سعید اس ضمن میں رقمطراز ہیں۔

"یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اشتراکی ممالک کو چھوڑ کر دیگر تمام ممالک اپنی اشیاء کی فروخت پر کم از کم دس فیصد کمیشن دیتے ہیں اور یہ ایک طے شدہ معاملہ ہے لیکن زرعی اشیاء اور حیوانی اشیاء کی در آمد پر کمیشن کی شرح ۲۵ فیصد سے ۵۰ فیصد تک جا پہنچی ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کا زیادہ عرصے تک ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہر ملک ان اشیا کی فاضل پیداوار کو ہر قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے اسی کمیشن کے بڑھتے ہوئے رجحان نے پاکستان کی زرعی معیشت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اور پاکستان کو عملاً ایک Commission Oriented Society بنا دیا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے بزرجمہر ہمہ وقت ایسے منصوبے اور ایسی اقتصادی تدبیریں سوچتے اور مرتب کرتے رہتے ہیں جن سے ان کے کمیشن کے حصول

کا سلسلہ بدستور جاری رہے۔ورنہ پاکستان جیسے زرعی ملک میں غزائی اشیاء کی قلت کا تصور تک گناہ کے مترادف ہے کیونکہ ہر قسم کی زمینیں، ہر نوع کے موسم اور متنوع آب و ہوا کے علاوہ دنیا کا بہترین نہری نظامِ آبپاشی پاکستان کو میسر ہے۔"

یہاں پر یہ چیز واضح کر دینا ضروری ہے کہ حکیم سعید بنیادی طور پر ایک معاشی مفکر نہیں ہیں۔وہ ایک صنعت کار ہیں۔لہٰذا وہ عملی معیشت کو کئی دیگر اصحاب علم و دانش سے بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں اگر ان کی بتائی ہوئی تدابیر پر کماحقہ عمل کیا جائے تو پاکستان کی معاشی حالت سنور سکتی ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات کی ذمہ داری گزشتہ تمام حکومتوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے پاکستان کو قرض کی راہ پر لگایا اور قرض بھی وہ جو سود پر ملے۔ہم قرض اتنا زیادہ لے چکے ہیں کہ دو کروڑ روپے فی گھنٹہ ہم سود دے رہے ہیں۔ہم یہ قرض اتار نہیں سکتے۔ہمارا کوئی مددگار نہیں ہے۔حکیم سعید کے قول کے مطابق:

"ہم نے اسلام کے زریں اصول کفائت، قناعت اور اختیار غربت کو فراموش کر دیا ہے۔اس لئے اپنے عیش و عشرت کے لئے ہم نے بے اندازہ قرض لئے ہیں۔یہ قرض تعمیر کے نام پر لیا گیا اور عیش و عشرت پر خرچ ہوا۔اسلام میں قرض لینا عیب ہے اس عیب کو چھپایا جاتا ہے مگر ہم قرض لے کر شادیانے بجاتے ہیں-----اپنی خودی فروخت کرتے اور اپنی خودداریوں کا سودا کرتے ہیں ہم آج اس درجہ مجبور ہیں کہ پاکستان کو ہم نے نیلام پر چڑھا دیا ہے۔"

پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان کی سب دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئی ہے اور وہ دولت ان ظالموں نے اپنے عیش و عشرت کے لئے بیرون ملک منتقل کر دی ہے۔ایسے میں آبادی گلستان کیسے ہو گی۔ایک مرتبہ صدر ایوب خان کے زمانے میں اپوزیشن لیڈر سردار بہادر خان نے جو ایوب خاں کے حقیقی بھائی تھے کہا تھا۔

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہو گا

تعلیمی نظریات

کسی قوم و ملک کی ترقی و ارتقاء میں تعلیم کو جو مقام حاصل ہے اس کی اہمیت و افادیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی تعلیم اور صحت کے میدانوں میں ترقی کی وہ کامیاب و کامران ہوئی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ان پڑھ، جاہل، جسمانی طور پر کمزور و ضعیف قوم، اقوام عالم میں اپنے ملک کو ترقی و سرفرازی کے اس دھارے میں شامل کر سکے جس کی وہ خواہش یا تمنا کرتی ہے۔ صاحبان اقتدار خواہ کسی ملک و ملت سے تعلق رکھتے ہوں ان سب کا فرض اولین یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی قوم کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ اسلامی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت واضح تر ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ اس کرہ ارض پر جو انقلاب اسلام نے برپا کیا اس میں بنیادی کردار تعلیم ہی کا تھا اور اس انقلاب میں جو کردار مساجد نے ادا کیا وہ ناقابل تردید حقیقت ہے اسلام نے اس میدان میں راہنما اصول دیئے ہیں ان میں کہیں کوئی غلطی یا شک کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ جب تک ملک کو لارڈ میکالے کے بنائے ہوئے نصاب سے نکال کر خالصتاً اسلامی کلچر اور ثقافت میں تبدیل نہیں کر دیا جاتا اور یہ نصاب باقاعدہ سکولوں میں رائج نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک کسی بھی کمیشن کی طرف سے بنائی گئی تعلیمی رپورٹس محض بے کار اور لایعنی نتائج کی حامل ہوں گی۔

پاکستان میں ہم اب تک پورے تیرہ منصوبے برائے تعلیم بنا چکے ہیں اب چودھواں منصوبہ تعلیم ہمارے سامنے ہے ہر حکومت جو برسر اقتدار آتی ہے وہ اپنا منصوبہ تعلیم بھی بناتی ہے۔ وہ یہ غور کیوں نہیں کرتی کہ پاکستان کے جہل و جہالت کی تاریکیاں

روشنیوں سے کیوں نہیں بدلیں؟ ہماری شرح خواندگی میں پچاس سال کے دوران اضافہ کیوں نہیں ہوا؟

ہر حکومت کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم نے شرح خواندگی کو بڑھایا ہے۔ ان دنوں اخبارات اور رسائل میں آتا ہے کہ ہماری شرح خواندگی ۳۶ فیصد ہے لیکن معیار خواندگی یہ ہے کہ جو شخص دستخط کر لیتا ہے وہ خواندہ ہے۔ یہ ایک مزاحیہ معیار تعلیم ہے۔ اگر کم از کم پرائمری کو ہی معیار تعلیم بنالیا جائے تو یہ شرح گر کر ۱۵ سے ۲۰ فیصد تک رہ جائے جو کسی بھی قوم کے لئے لمحہ فکریہ سے کم نہیں ہے۔ حکیم سعید کے لئے یہ صورت حال نہایت دل دکھا دینے والی تھی۔ اسی بنا پر وہ تعلیم و تربیت پر زور دیتے رہے اور اسی تعلیم و تربیت کو ہی پاکستان کے سب دکھوں اور مصیبتوں کا مداوہ تصور کرتے رہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

"اگر پاکستان بنتے ہی ۲۷ رمضان المبارک کو ہم قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چل کر ایمان اور علم دونوں کو سینے سے لگا کر رکھتے، اسے حاصل کرتے، اسے پھیلاتے، اس کی مدد سے اپنے نونہالوں اور نوجوانوں کی کردار سازی کرتے تو اللہ جل شانہ ہمیں بھی برکات سے نوازتے۔ یہ راہ اختیار کرنے کے لئے ۲۷ رمضان المبارک کو پاکستان کا قیام واضح اشارہ تھا مگر ہم نے کچھ نہ کیا۔۔۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم تحصیلِ علم میں ایک مخلص مومن کی طرح لگ جائیں اور اپنے وطن عزیز کو بدامنی انتشار، غربت، جہالت اور قرضوں کے بوجھ سے بچائیں۔"

اسی طرح جولائی ۱۹۹۸ء کو ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز کے زیرِ اہتمام اسلام آباد میں منعقدہ آل پاکستان مارکٹنگ کانفرنس میں سینٹ پاکستان کے چیئرمین وسیم سجاد کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے تعلیم میں "تربیت" کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :

"تربیت کو موجودہ قومی تعلیمی پالیسی کا حصہ بنائے بغیر اس کے عملی نتائج حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ پچھلے تیرہ قومی تعلیمی منصوبوں کی ناکامی کی بھی یہی وجہ تھی۔ انہوں نے پورے ملک میں یکساں نصاب تعلیم کے نفاذ پر بھی زور دیا"

اس تقریر کو روزنامہ پاکستان آبزرور اسلام آباد نے ۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء کو اپنے اداریے میں جگہ دیتے ہوئے لکھا:

"حکیم سعید کا مطالبہ منطقی، حقیقی اور عملی نوعیت کا حامل ہے۔ تربیت ہر فرد میں تغیر پذیر اور فروغ پذیر تصورات اور علوم پر دسترس حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ تعلیم کے اتنے اہم پہلو کو پچھلے قومی تعلیمی منصوبوں میں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ تربیت کو خدمت کے ہر شعبے میں ہر سطح پر ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے تاکہ علم و آگہی اور تجربے کو تازہ ترین قومی ضروریات کے مطابق رکھا جاسکے توقع ہے کہ حکومت قوم کے بہتر مستقبل کی خاطر حکیم سعید کے مطالبے پر غور کرے گی اور اس کی روشنی میں موجودہ تعلیمی پالیسی میں ضروری اصلاح کرے گی۔

ہم ملک میں مروجہ دوہرے نظامِ تعلیم کے بارے میں حکیم سعید کے خیالات کی بھی تائید کرتے ہیں یہ نظامِ تعلیم نہ صرف اس تصور مساوات کی نفی کرتا ہے جس پر اسلام بہت زور دیتا ہے بلکہ معاشرے میں طبقاتی امتیازات کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو قومی یکجہتی اور اتحاد کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ بہت سے مسائل جن کا آج قوم کو سامنا ہے اسی دوہرے نظام تعلیم کا شاخسانہ ہیں۔ یہ دوہرہ نظام تعلیم سامراجی حکمرانوں کے انتظامی اور سیاسی اغراض کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ تاہم یہ ایک آزاد و خود مختار قوم کی احتیاجات اور امنگوں کی تکمیل میں سدراہ ہے۔ ایسا کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان اور کمپیوٹر کی تدریس پرائمری سطح پر متعارف کر کے انہیں پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے معیار کے مطابق بنادیا جائے تاکہ سرکاری سکولوں کے طلبہ بھی نجی اعلیٰ سکولوں کے طلبا کا استعداد اور قابلیت میں مقابلہ کر سکیں۔ طبقاتی امتیاز پر مبنی نظامِ تعلیم نہ صرف فرسودہ ہے بلکہ قومی مفادات کے لئے بھی ضرر رساں ہے"

قومی زبان کسی قوم و ملک کی ترقی میں جو اہم کردار ادا کرتی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی عظیم مفکر، سیاست دان، مدبر، مبلغ، مصلح، اور معلم ہو گزرے ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنی قومی زبان کو ذریعہ ابلاغ بنایا ہے۔ مہذب قومیں اپنی زبان و لباس،

تہذیب و تمدن، علم و ثقافت، رسم رواج اور تاریخ پر فخر کرتی ہیں اور ان کی آبیاری اور ترقی میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ڈھاکہ میں اپنے خطاب میں فرمایا تھا:۔

"پاکستان کی مشترکہ زبان جو اس کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اردو کے سوا کوئی زبان نہیں ملک کی سرکاری زبان بھی اردو ہی کو ہونا چاہیئے یہ وہ زبان ہے جسے اس برعظیم کے لاکھوں مسلمانوں نے پالا پوسا ہے اور جو پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھی جاتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ، دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ پایا جاتا ہے اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے قریب تر ہے اس لئے میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہو گی۔ جو شخص اس بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔" ۳

اس ضمن میں حکیم محمد سعید نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور بار بار لکھا ہے میں ان کے ایک مضمون "انگریزی کی تعلیم، تہذیبی نقصانات۔ تدارک" سے چند اقتباسات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

"اس حقیقت میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ نوآبادیاتی دور میں ہندوستان میں انگریزی زبان اس لئے پڑھائی جاتی تھی کہ ہندوستانیوں کو خواہ وہ مسلمان تھے یا ہندو انگریزی کا ہیرو بنایا جائے اور تابع فرمان۔۔۔۔ انسان کی پوری تاریخ ایک نہایت واضح حقیقت سے عبارت ہے کہ جب کبھی ایک زبردست قوم و ملک نے کمزور قوم و ملک پر غاصبانہ برتری حاصل کی اس نے سب سے پہلے علم اور عالم پر حملہ کیا ہے۔ علم کو غیر نافع بنایا اور عالم کو بے وزن کر دیا اور تعلیم کے نصاب کو اس طرح بدلا کہ مفتوح اپنی حقیقت کو فراموش کر دے اور ایک ایسی نسل تیار ہو جائے جو اپنی حقیقت سے لاعلم اور اپنی تہذیب و تمدن اور اپنی ثقافت سے دور ہو جائے۔ ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔ ایک غیر زبان سیکھنے کے اثرات زندگی کے تین پہلوؤں پر محیط ہوتے ہیں، جمالیاتی پہلو، سماجی پہلو، اور معنوی پہلو"

"جمالیاتی پہلو میں انگریزی ادب، انگریزی فلمیں اور انگریزی موسیقی شامل ہیں۔ من حیث المجموعہ انگریزی ادب کا جمالیاتی پہلو اللہ کے بارے میں اسلام کے عقائد اور زندگی کے بارے میں انسان کے آداب سے متصادم ہے۔ مثال کے طور پر تھامس ہارڈی نے جو انگریزی کا نامور ناول نویس اور شاعر تھا اپنے تمام ناولوں میں یہ تصور پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کر کے ایک طرف بیٹھ گیا اور پھر جو کچھ ہوتا رہا ہوتا رہا۔ انگریزی ادب میں جادو اور بھوت پریت اور سائے کا بھی بڑا دخل ہے۔ بعض مصنفین مثلاً ڈی ایچ لارنس نے جنسی موضوع کو غیر محتاط طریقے سے پیش کیا ہے۔ انگریزی کے جمالیاتی عنصر میں دہریت اور اور مادیت کا پہلو زیادہ اجاگر ہے اور پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ اسے دنیا کا بہترین ادب کہہ کر پیش کیا جاتا ہے اور مسلمان طلبہ کے عقائد کو متزلزل کیا جاتا ہے۔ فلموں کی عریانی اور موسیقی کی آوازوں کی فراوانی اور رقص اور شراب نوشی کے مناظر اسلامی آداب شرافت کے لئے کھلے چیلنج ہیں ---- سماجی پہلو میں انگریزی رسم و رواج اور انگریزی اداروں کو پیش کیا جاتا ہے ---- پاکستانی طلبہ انگریزی کے زیر اثر اپنی تہذیب اور اپنے اطوار زندگی پر مغربی تہذیب کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی تصور ہماری ذہنی غلامی کا باعث بنا ہے۔ معنوی پہلو سیکولرازم، مادہ پرستی اور دہریت پر مشتمل ہے ------ ان سے ہماری اسلامی اقدار، ہماری سوچ اور ہمارا لائف اسٹائل متاثر ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ ڈارون کا نظریہ اور میکیاولی کا نظریہ پیش کیا جاتا ہے اور جدیدیت کے نام پر پاکستانیوں کو فنڈامینٹلسٹ، ماضی پرست اور غیر مہذب قرار دیا جاتا ہے ---- یہاں میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں نہ دینا اور قومی زبان کو ابتدائی تعلیم میں ذریعہ نہ بنانا قطعی غیر دانشمندی ہے۔"[۴۴]

تعلیم و تعلم میں نصابِ تعلیم نہایت اہم اور مرکزی کردار ادا کرتا ہے ہم سب جانتے کہ لارڈ میکالے کے نصاب تعلیم نے ہی ہماری غلامی کے جوئے کو مضبوط سے مضبوط تر کیا ہوا ہے۔ ہم پچاس سال آزادی کے گزارنے کے باوجود اب بھی اس نصاب کے غلام ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسا نصابِ تعلیم مرتب کیا جائے جو ہمارے تہذیب تمدن، ثقافت، علم و ادب، تاریخ و معاشرت، عزتِ نفس، آزادی و حریت، خودی، خودداری

اور ہماری عزت و توقیر کا ضامن ہو۔ جو ہمیں انگریزی ادب و ثقافت مادہ پرستی اور دہریت سے نجات دلائے۔ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں :

"احساسِ کمتری کی یہ تباہ کن قسم ہے ہم ان تباہ کاریوں کے ہدف اس لئے بنے ہیں کہ گزشتہ پچاس سال میں ہم نے اپنے نصابِ تعلیم کو حقیقت آشنا نہیں بنایا ہم نے نصاب تعلیم میں قومی زبان سے صرفِ نظر کیا ہم نے اپنے نظریہ ملی سے اجتناب برتا۔ ہم نے اپنے اسلوبِ تعلیمات اسلامی سے دوری اختیار کی۔ ہم نے اپنی تاریخ کو نصاب تعلیم میں یکسر فراموش کیا۔ ہم نے نصاب تعلیم میں قدما، زعما و حکما کا ذکر تک نہیں کیا۔ پاکستان کا نصابِ تعلیم سرقہ مغربی سے عبارت ہے یا یہ کہہ لیجئے کہ تقلیدِ مغرب کا ایک نمونہ ہے"۔۔۔۵

ہم جانتے ہیں جو بو کر گندم کاٹنے کی امید رکھنا عبث ہے۔ جو سے جو اور گندم سے گندم ہی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم قوم کے اندر عزت نفس، خودی و خوداری، آزادی فکر، عظمت و رفعت، آزادی و حریت، اخلاق و کردار اور احترام انسانیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں نصاب تعلیم کو بدلنا پڑے گا۔

تعلیم کے معاملے میں ایک اہم ترین رکن معلم ہوتا ہے لیکن ہوس زر نے اس غریب کی وہ حالت کر دی ہے کہ نہ اس کی معاشرے میں کچھ عزت رہی ہے اور نہ ہی شاگرد کی نظروں میں۔ اس کی حالت اتنی نازک اور قابل رحم ہو چکی ہے علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ طنزیہ طور پر کہا تھا۔

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض
جی چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

حکیم محمد سعید معلم کا درجہ بلند کرنا چاہتے تھے وہ بلاد شام کے معلم الشیخ سعید الحلبی کی مثال دے کر استاد کو قناعت و استغناء کا سبق دیتے ہیں اور کہتے ہیں :

"وہ احترام دولت سے بے نیاز ہو کر تعلیم و تعلم کے میدان میں منہمک اور مشغول

رہتے مال و دولت ان کا مقصود نہیں ہوا کرتا تھا۔ دورِ اسلام کے معلمین کرام فروغ تعلیم کو ایک درجۂ فرض دیا کرتے تھے اور تعلیم و تربیت دینے کو اعلیٰ ترین خدمت قرار دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔پاکستان کے حالات خراب کرنے میں معلم کا عدم احترام اور تربیت و تعلیم سے غفلت ایک بڑا سبب ہے۔ بلکہ سبب اول ہے"۔٦

اسلامی تعلیم کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے کی اصلاح کرنا ہے اور اس طرح اصلاح کرنا ہے کہ دنیا میں تمام انسان امن و امان کی زندگی بسر کریں اور اس طرح زندہ رہیں کہ اخلاق کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اور آخرت کی لامتناہی زندگی کے لئے پورے اخلاق و تقویٰ کے ساتھ تیاری کریں۔ اسلامی تعلیم کا یہ بنیادی مقصد صرف اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ خالق کائنات اور مالک کل کے حکم کے مطابق ہم نور مجسم رسول اکرم ﷺ پیغمبر آخر الزماں کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے یہ معلوم کریں کہ ختمی مرتبتؐ نے معاشرے کی اصلاح کس طرح کی تھی؟

حوالہ جات

۱۔ "آوازِ اخلاق" یکم تا ۱۵ ستمبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۷

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۸

۳۔ "قومی زبان" دسمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۰

۴۔ "قائداعظم محمد علی جناحؒ پاسبان ملت" از صادق حسین طارق صفحہ ۱۱۴-۱۰۹

۵۔ "آوازِ اخلاق" یکم جون تا ۳۰ جون ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۰-۹

۶۔ "آوازِ اخلاق" یکم مارچ تا ۳۱ مارچ ۱۹۹۸ء صفحہ ۴-۳

۷۔ "آوازِ اخلاق" یکم نومبر تا ۱۵ نومبر ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۵-۱۴

سیاسی نظریات

حکیم محمد سعید کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اس مادی دور میں جب کہ لوگ دولت وثروت کی خاطر اپنا تن، من، عزت وناموس سب کچھ قربان کر دیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نہ صرف نام لیوا رہے بلکہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر عمل کرتے رہے اور عمل کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ وہ گناہ ہے کہ جس کو موجودہ دور کا انسان برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے۔ غیر مسلم کی بات تو سمجھ میں آجاتی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

لیکن مسلمانوں کی باتوں اور سوچوں کا جب میں تجزیہ کرتا ہوں تو سر پکڑ کے بیٹھ جاتا ہوں کہ

ایں کار مسلمانان نیست

یہ چانکیائی اور میکیاولی کی سیاست وتدبر کا دور ہے جس میں یہ تو لازم ہے کہ آپ مذہبی دکھائی دیں لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں کہ آپ مذہبی ہوں بھی۔ یہ وہ منافقت ہے جس نے مسلمانوں کو تباہی وبربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس کا پودا تو بنو امیہ کی خلافت پر قابض ہوتے ہی اگ آیا تھا جو اب چودہ سو سال میں ایک تن آور درخت بن چکا ہے جس کی شاخیں مشرق ومغرب تک پھیل چکی ہیں ملوکیت، سرمایہ داری، جاگیرداری، آمریت اور موجودہ جمہوریت نے ان کی بھرپور پرورش کی ہے۔ یہاں تک کہ اب سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ مسلمانان عالم کا یہ وطیرہ ان کی ذات کے لئے تو تباہ کن ہے ہی، اس سے

ملک و قوم، مسلم امہ اور اسلام کا انتہائی درجے کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ جس طرح دولت وشرافت، جاگیرداری اور جمہوریت ایک جگہ نہیں پنپ سکتے بعینہٖ حق وباطل ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔بقول علامہ اقبال۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ ایک بہت تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے علمائے سو نے اپنی دنیا سنوارنے کے لئے اسلام کی من مانی تاویلات کی ہیں لیکن علوم جدیدہ نے ان تاویلات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے اکثر مسلمان اکابرین "اسلام کی طرف لوٹو" "سیرت نبی ﷺ کی طرف آؤ" "اسوہ حسنہ پر عمل کرو"، "خلافت راشدہ کے طور طریقوں کو اپناؤ" کے نعرے لگاتے ہیں۔ جن سے مسلمان بچوں میں ایک نئی روح اور نئی سوچ پیدا ہوتی ہے۔ بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا:

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات پیغمبر اسلام ﷺ کے دیئے ہوئے سنہری اصولوں کی پیروی میں مضمر ہے۔ لہٰذا آیئے ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد حقیقی اسلامی اصولوں اور نظریات پر رکھیں۔ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہمارے ریاستی امور باہمی مشورے اور بحث مباحثے سے طے کئے جائیں"۔ ۱

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا۔

گر تو می خواہی مسلم زیستن
نیست ممکن جزبہ قرآں زیستن

(اگر تو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا ہے تو قرآن کے بغیر ناممکن ہے) اور رسول کریم ﷺ ہی قرآن کے بہترین شارح ہیں انہوں نے قرآن پر عمل کر کے دکھایا ہے ان کا ہر عمل ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(اقبالؒ)

حضور اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اگر کوئی اور راستہ اختیار کیا جائے تو وہ اسلام کی بجائے کفر کی طرف جائے گا۔

حکیم محمد سعید کا تعلق بھی اسی قبیل کے انسانوں سے تھا۔ ان کی اپنی زندگی اسوہ رسول ﷺ کی پیروی میں بسر ہوئی وہ زندگی کے ہر شعبے کو اسی اسلامی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے وہ اپنے مضمون "روٹی کپڑا اور مکان" میں لکھتے ہیں :

"سرور کائنات، فخر موجودات اور مجسم نبی اکرم رسول مقبول ﷺ کی حیات روشن اور سیرت پاک کے اتنے پہلو ہیں اور ان میں اس درجے ہمہ گیری گہرائی اور گیرائی ہے کہ اس کرہ ارض پر چودہ سو سال پورے تسلسل کے ساتھ سیرت طیبہؐ پر کتب نویسی اور سیرت پاک کے اجتماعات ہوتے رہے ہیں اور آنے والی صدیوں میں بھی تصنیفات اور عالمگیر اجتماعات کا سلسلہ جاری رہے گا مگر حیات پاک کے احاطہ کامل کا دعویٰ نہیں کیا جا سکے گا"

وہ رقمطراز ہیں :

"پاکستان اور اہل پاکستان کا اس وقت سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کہ وہ اپنے مرکز سے فرار کی راہ پر گامزن رہے ہیں یعنی ہم اللہ، قرآن اور ہادی برحق ﷺ اور ان کی تعلیمات سے اپنا رشتہ منقطع کر چکے ہیں اور ایسی متفرق اور متعدد، اور مخالف راہوں پر چل کھڑے ہوئے ہیں جو اس منزل تک نہیں جاتیں جو ہماری منزل مقصود ہے حتیٰ کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کہاں اور کدھر جا رہے ہیں؟ -------- یہ وہ ذلت کی زندگی ہے جو آج ہم گزار رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر آج پوری قوم جس عمل کا مظاہرہ کر رہی ہے اس پر ملت کا ایک بھی فرد شرمسار نہیں ہے خواہ وہ اقتدار میں ہو خواہ وہ عوام میں ہو، راعی ہو یا رعیت ہو" ۲۔

مختصر طور پر ایک اسلامی سلطنت کے سربراہ اور اعمال کے بارے میں حکیم سعید کا نظریہ ہے کہ وہ عیش و عشرت کے دلدادہ نہ ہوں۔ انہیں اسلام کی شرم اور حیا کا خوف ہو۔ انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ عمر بن

نظریۂ انقلاب

اگر انسان کی فطرت میں چیزوں کے دیکھنے بھالنے، سوچنے سمجھنے اور ان کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنے کے بعد ان کو بہتر سے بہتر بنانے پر آمادہ نہ ہوتا تو ترقی کی اتنی منزلیں آسانی کے ساتھ طے نہ ہو سکتیں بلکہ زندگی جامد اور ساکت ہو کر رہ جاتی۔ ہیئت اجتماعی اور تہذیب و تمدن کا آج کوئی نام بھی نہ جانتا بس انسان جس طرح دنیا میں آیا تھا اسی طرح ہمیشہ کی زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ یہ نت نئی تبدیلیاں اور انقلابات جن سے ہم آئے دن دو چار ہوتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں کہیں خواب میں بھی نظر نہ آتے یہ سب انسان کی اسی فطرت کے طفیل ہے کہ ہم زندگی کو انقلاب اور تبدیلیوں سے ہم آغوش کرتے رہتے ہیں ہمیں اس بات کا احساس ہوتا رہتا ہے کہ انسان زندگی کے منت پذیر شانہ گیسوؤں کو زیادہ سے زیادہ سنوارتا رہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ دل موہ لینے والا بناتا رہے۔ یہ خواہش انسان میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ زندگی پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اس کی خامیوں کو محسوس کرتا ہے۔ جب اس کا شعور اس سے کہتا ہے کہ ان چیزوں میں اور زیادہ خوبصورتی اور دلکشی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ آگاہی انسان کو تحصیل علم کے بعد ہی میسر آتی ہے۔ یہ دنیا اجتماع ضدین ہے جس میں دنیا کی ہر چیز اپنی ضد کو ایک خاص قسم کے شعور سے آگاہ کرتی ہے۔ اسی سے اس کے اندر ایک خاص قسم کا حسن اور زیبائش آجاتی ہے۔ اسی بنا پر دنیا کے مفکرین نے ہمیشہ انقلاب کی تمنا کی ہے۔ حکیم سعید بھی اس دور کے ایک مفکر تھے۔ وہ پاکستان کے حالات سے ناخوش تھے۔ ان کے بقول "پاکستان کے موجودہ حالات انتہائی تشویش ناک ہیں۔ روزانہ اخبارات قتل و غارت گری، بدامنی اور کرپشن کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ تو

قرضوں کا ہے ---- آج ہمارے ملک کا ہر بچہ، ہر نوجوان اور ہر بوڑھا- پندرہ ہزار کا مقروض ہے- ہمارے اوپر قرض کا بوجھ اربوں ڈالر کے حساب سے ہے- ہم دو کروڑ روپے فی گھنٹہ کے حساب سے سود ادا کر رہے ہیں- جب سود کی رقم کا یہ حال ہے تو اصل قرض کا کیا ہو گا- اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ----- آج امریکی سفیر کی اتنی جرات ہو چکی ہے کہ وہ دباؤ ڈالتا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کی برتھ نمبر ۲، ۳ اور ۴ ہم کو دے دی جائے"۱-

یہ وہ صورت حال ہے جس پر ہر محب وطن پاکستانی تڑپ اٹھے گا- اسی بنا پر حکیم سعید انقلاب کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں :

"انقلاب کی ایک تعریف یہ ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی میں ایک ایسا انقلاب لائے کہ جو اسے عزت نفس کا شیدائی بنا دے، خودی اور خودداری کا پاسبان بنا دے- پھر سب سے بڑا تعلیم کا انقلاب برپا کرنا ہو گا- کوئی انقلاب برپا ہو نہیں سکتا جب تک تعلیمی انقلاب برپا نہ کر لیا جائے- میری رائے میں سب سے صحیح، اساسی بنیادی تعمیری اقدار یہی ہو سکتی ہیں کہ ہر فرد ملت کو تعلیم سے آراستہ کر دیا جائے- ڈیویلپمنٹ یہ ہے کہ ہم خود ایک ایک نونہال کو تعلیم سے آراستہ پیراستہ کریں اور ان پانچ کروڑ نونہالوں کو تعلیم پر لگا دیں جو آج آوارگی کی گرفت میں ہیں اور دولت مندوں کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں ہر ڈیویلپمنٹ پر مقدم تعلیم کو کرنا چاہیئے میں اس انقلاب کا حامی ہوں-"

"اور ہاں ایک انقلاب یہ برپا کرنا ضروری ہے کہ پاکستان کو جاگیر داروں، زمینداروں، وڈیروں سے نجات دلائی جائے ان سب کو تہہ خانوں میں بند کر دینا اشد ضروری ہے تاکہ آزادیٔ پاکستان سے اب نہ کھیل سکیں- ان کی دولتوں کو چھین لینا چاہیئے اور ساری دولت تعلیم پر صرف کر دینی چاہیئے- پاکستان کے لئے اس سے بڑا ثواب اور اس سے زیادہ خوبصورت انقلاب کوئی نہیں ہو سکتا-"۲-

پاکستان کی صورت کو بے صورت کرنے میں ہمارے جاگیرداروں، سرمایہ داروں بیورو کریسی کا بہت بڑا ہاتھ ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے پاکستان کی یہ تقریباً ایک فیصدی آبادی پاکستان کے سفید و سیاہ پر قابض ہے- اور اس طبقہ نے دیگر انسانوں کی زندگی کو اجیرن کر رکھا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب کی راہیں مسدود ہیں تو صرف اس بنا پر کہ پاکستانیوں کو کوئی ابھی تک مخلص قائد اعظم کی مانند قائد نہیں مل رہا۔ جس دن بھی کوئی ایسا شخص سامنے آ گیا انقلاب آجائے گا۔

حکیم سعید نے ایک جگہ یہ کہا ہے کہ "میں اس کے حق میں ہوں کہ زمینداری کو یک لخت ختم کر دینا چاہیے۔ ساری زمینیں کسانوں میں تقسیم کر دینی چاہئیں۔ میں یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان زمینداروں کو اللہ کا خوف دلایا جائے اور ان کو کارہائے خیر کے لئے درس دیا جائے ایسا مشورہ اس لئے نہیں دیتا کہ جب دولت آجاتی ہے تو پھر ہر روپیہ کار خیر سے دور ہو جایا کرتا ہے۔ ان دولت مندوں کو آمادہ تعمیر وطن اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک ان سے دولت نہ لے لی جائے۔" ۵۔

ہر ایک سنگ میل ہے آب ننگ رہگور
ہیں رہبروں کی عقل پہ پتھر پڑے ہوئے
بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

حوالہ جات

۱۔ اواز اخلاق یکم تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء صفحہ ۵-۴

۲۔ آواز اخلاق ۲۶ جنوری تا ۷ فروری ۱۹۹۸ء صفحہ ۸

۳۔ مدیر ماہنامہ "پیام" دسمبر ۱۹۹۷ء

ایک عہد آفریں شخصیت

حکیم سعید ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جس کے بارے میں لکھا جاتا رہے گا۔ انھوں نے اپنی مستعار حیات میں اپنی جدوجہد، سعیٔ مسلسل اور کامل لگن کے ساتھ نہایت اعلیٰ مقام اور درجہ پایا ہے۔ وہ جستجو جانفشانی، سلیقہ وسادگی، حکمت ودانش، شرافت ونجابت، عجز وانکسار، علم وخبر، خود فیروز مندی کے اوصافِ حمیدہ اور عناصر ستودہ سے متصف تھے۔ ان کی نظر نواز و دل آویز اور قابل تقلید شخصیت جدید دور کے بھٹکے ہوئے انسان کو دعوت عمل وحرکت دیتی ہے۔ ارض پاکستان میں جہالت، بیماری، دکھ مصیبت، غربت وافلاس، ظلم وجبر، اور سماجی ومعاشی ناہمواریوں کے خلاف نبرد آزما شخصیات میں سب سے نمایاں آواز حکیم سعید ہی کی تھی۔ ان کی صحبت انسان کو بہت کچھ سوچنے اور کرنے کی دعوت دیتی۔ جب وہ اپنے علم وحکمت سے کام لیتے ہوئے پاکستان اور دنیائے انسانیت کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تو فکرونظر کے کئی دریچے وا ہوتے ہیں۔ اور اپنی کم علمی، کم مائیگی اور کم رفتاری کا سختی سے احساس ہوتا ہے۔

وہ سفید شروانی سجائے، جناح کیپ لگائے، سفید بوٹ اور پائجامہ میں ملبوس اپنی ذات اور عظمت کا ایک حسین نشان تھے۔ ان کا امید افزا نکھرا ہوا روپ ان کے شایان شان تھا۔ ساڑھے اٹھتر برس سے زیادہ عمر ہونے کے باوجود چہرے مہرے چال ڈھال اور جسم و جاں سے اپنی عمر سے بہت کم نظر آتے تھے۔ اس کی وجہ ان کے بقول یہ کہ "میری زندگی کا کوئی مقصد ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مجھے محنت کرنے میں مزہ آتا ہے کیونکہ میں نے اپنی زندگی کے مقصد کو جان لیا ہے کہ میرا مقصد صحیح ہے اس لئے میری صحت کا راز

کوئی زیادہ پیچیدہ نہیں بلکہ بہت آسان ہے اور وہ یہ کہ میں کسی سے انتقام نہیں لیتا- جب انتقام نہیں لیتا تو نہ تو انتقام کی آگ میں جلتا ہوں اور نہ ہی نفرت میرے قریب آتی ہے"

وہ دن میں ایک بار شام کو کھانا کھاتے- کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور اور پاکستان کے کئی دوسرے شہروں میں بلا معاوضہ مریضوں کو دیکھتے اور دوا دیتے جس سے ان کو دلی سکون و طمانیت ملتی تھی- مریضوں کی تعداد تقریباً ۲۰۰ سے ۲۵۰ تک ہوتی تھی- اس دوران آپ باوضو اور روزہ سے ہوتے- قدرتی طور پر ان چیزوں کا فیضان بھی ہوتا ہے-

دنیائے انقلابات کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ان انقلابات کے بانی عموماً رحیم و کریم، شائستہ و شفیق، محنتی اور بلند کردار ہوتے ہیں- یہ خوبیاں حکیم سعید میں موجود تھیں- وہ ان سے خاطر خواہ کام لیتے رہے جن کی بنا پر لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہتے- آپ کا حلقہ اثر نہایت وسیع و عریض تھا-

آپ کی محنت و کاوش سے نونہالوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جو آئندہ آنے والے انقلاب میں ہر اول دستہ کا کام کرے گی- اس کا ضمیر پاکستانی ہوگا- یہ ایسے نونہال ہوں گے جو اخلاقی، روحانی، علمی و ادبی اور معاشرتی لحاظ سے انسانیت کے لئے نمونہ ہوں گے- ان میں علم و حکمت، عزم و ہمت، خودداری و عزت نفس، بلندی اخلاق، جہد و عمل اور زندگی سے محبت کرنے کا تصور زندہ ہوگا- وہ اپنے عزم جزم، ہمت و استقلال، ولولہ و جوش اور ایمان و ایقان کی بدولت پاکستان کو مثالی اسلامی ریاست بنائیں گے-

حکیم محمد سعید ایک جوان ہمت انسان تھے- وہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے بانی ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر، مدینۃ الحکمۃ کے بانی، ہمدرد لیبارٹریز کے بانی اور سندھ کے سابق گورنر بھی تھے- سندھ کی گورنری کے دوران انہوں نے تعلیم کے فروغ کے لئے محرکۃ الآراء اقدامات کئے- سندھ میں چار یونیورسٹیوں کے اجرا کی اجازت دی اسی بنا پر بی بی سی نے کہا کہ اگر حکیم سعید کا بس چلے تو پانچ برس میں تعلیم سو فیصد کر دیں" یہ ایک بہت بڑا انقلابی تصور ہے- جہالت انسان کی تباہی و بربادی کا موجب ہوتی ہے- جاہل انسان نہ خدا کو پہچان سکتا ہے نہ اس کے احکامات کو- اس کا دل ہی اس کا خدا ہوتا ہے جو اس میں آگیا وہی سچ اور حقیقت ہے-

اسی بنا پر وہ بے راہ اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"، "گود سے لے کر گور تک علم حاصل کرو۔" "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین تک جانا پڑے" اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں علم کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں نے علم حاصل کیا اور دنیا کے امام بن گئے۔ دینی و دنیوی قوت و سطوت ان کے ہاتھ میں آگئی لیکن جب یہی مسلمان عیش و عشرت اور غیر اسلامی تعلیمات کی پیروی کرنے لگے تو ان پر زوال آگیا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے کہا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یعنی جب مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ تو ذلت و خواری ان کا مقدر بن گئی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کی طرف لوٹیں۔ حکیم سعید اسی مشن کو لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ قرآن کی فہم، دین سے رغبت، علوم جدیدہ سے شغف کو کردار و شخصیت کی تعمیر کے لئے لازم و ملزوم قرار دیتے تھے۔ وطن عزیز میں تعلیم انحطاط و زوال کا شکار ہے۔ ہر شعبے میں عدم رغبتی کی انتہا ہے۔ موجودہ نظام تعلیم فرسودہ، بیکار اور لاچار ہے۔ بے چینی، بد نظمی، بد چلنی، بے راہروی اور غنڈہ گردی طلباء میں راسخ ہو چکی ہے۔ اس نظام کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ حکیم سعید کے نزدیک اس کا واحد حل تعلیم قرآن ہے۔ فہم دین ہے استاد صحیح و سالم مسلمان ہو گا تو نئی نسل سنور جائے گی۔ مکمل مسلمان اور تربیت یافتہ استاد نئے نظام کی خشتِ اول ہے۔ نئی نسل کو سنوارنے میں ہی استاد کی بخشش اور دائمی زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔ طلباء میں دیانتداری، جدوجہد، عجز و انکساری، صبر و تحمل، بردباری، محنت و لگن، عزم صمیم اور مسائل سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا ہو گا تو دریا، سمندر اور خلا کی وسعتیں سب ہیچ ہو جائیں گی۔

حکیم سعید ایک بہت بڑے ادیب اور دانشور ہیں اور آپ نے شب و روز محنت کر کے علم کے خزینے میں بیش بہا اضافہ کیا۔ وہ خود ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"میرا اصل مضمون تاریخ طب و سائنس ہے میں نے زیادہ سائنسی میدان میں کام

کیا ہے اور عالمی سطح پر اس کے لئے بیداری پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ مگر طب کے نظریہ و فلسفہ پر بھی میں نے کام کیا ہے۔ ادب سے میں غافل نہیں۔ اب نونہال ادب اور نوجوان ادب لکھ رہا ہوں، نونہالوں کے لئے میری کتابیں شاید ساٹھ سے زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر کتابیں سوا سو تک پہنچ رہی ہیں۔ (کتاب سعید صفحہ ۴۲۶)

ہم جانتے ہیں اچھی اور بری تحریر کا معاشرے پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اتنی زیادہ کتب جو نیک نیتی کے ساتھ صالح معاشرے کی تشکیل کے لئے لکھی گئی ہیں وہ معاشرتی انقلاب لانے میں کیسے ناکام ہو سکتی ہیں ممکن ہے شر کی قوتیں وقتی طور پر اس نیکی کی تحریک کے سر چشمہ کو دبا لیں لیکن بالآخر کامیابی و کامرانی حق کی ہی ہو گی۔ اور وہ ذہنی انقلاب آ کر رہے گا جو حکیم سعید لانا چاہتے تھے۔

حکیم محمد سعید
(ادباء، ناقدین اور ہمعصروں کی نظر میں)

حکیم محمد سعید کی ذات انسانی معیار سے نہایت اعلیٰ وارفع تھی۔ مجھے جب بھی ان سے واسطہ پڑا انہیں میں نے احترام انسانیت اور توقیر آدمیت کا پیکر پایا۔ یہ سچ ہے کہ وہ جس طرح اوپر سے پاک، صاف اور اجلے دکھائی دیتے تھے وہ اندر سے بھی اتنے ہی اجلے اور شفاف تھے۔ وہ نیکی و سعادت، رحمت و رافت، اخلاق و اخلاص، محبت و ایثار، شفقت و مہربانی اور آدمیت و انسانیت کی روشنیاں اور خوشبوئیں لے کر ہر پاکستانی کے دل و دماغ کو معطر کرتے رہے۔ میں نے جب "مسلمانوں کے علمی و ادبی کارنامے" نامی کتاب تحریر کی تو یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوا کرتا کہ ہمارے قدیم علماء جامع حیثیات کے حامل تھے وہ ایک ہی وقت میں عالم دین، طبیب، سیاسی قائد، علوم و فنون کے ماہر، ادب و شعر میں کامل، بہترین معلم اور اپنے ذرائع و وسائل کو خدمت خلق پر صرف کرنے والے ہوتے تھے۔ وہ ایک ہی وقت میں یہ سب کچھ کرتے تھے لیکن جب حکیم محمد سعید صاحب سے رشتہ و تعلق پیدا ہوا تو یہ عقدہ وا ہو گیا کہ ایک انسان سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ نیک نیت، عمل کا خالص اور لگن کا پکا ہو۔

ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی

ندرت فکر و عمل سے سنگ خارا لعل ناب

وہ ایک بہترین مسلمان، بہترین طبیب اور بہترین پاکستانی اور انسان پرور تھے۔ وہ خود ساز شخصیت کا ایک بہترین نمونہ اور عمل و حرکت کے پیکر تھے انہوں نے جن نامساعد حالات،

مشکلات اور محدود وسائل سے پاکستان میں طب مشرقی کا پودا لگایا وہ سب پہ عیاں ہے۔انہوں نے جسم وجان کی ساری قوتوں، شب وروز کی محنتوں سے اس پودے کی آبیاری کی۔ مستقبل کا کوئی بھی مؤرخ خدمت انسانیت، خدمت قوم، علوم وفنون کی اشاعت اور اخلاق و کردار سنوارنے کی تحریکات میں حکیم سعید اور ادارہ ہمدرد کی بے مثال خدمات کا نمایاں تذکرہ کئے بغیر تاریخ پاکستان مرتب نہ کر سکے گا۔انہوں نے کتنی ہی زندگیوں کو مقصد کی روشنی اور کتنے ہی ذہنوں کو تعمیر کی لگن عطا کی۔ان کی پوری زندگی خدمت خلق سے عبارت ہے۔

حکیم سعید ایک بااصول، پابند وقت، مثالی، محنتی اور مستقل مزاج انسان تھے۔آپ ایک حق پرست حق شناس، حق گو اور بے باک ادیب و صحافی تھے جو شائستہ شرافت، شاداب ذہانت کی شمع روشن کئے وطن کے سود وزیاں کو بے خوفی کے ساتھ بیان کر جاتے۔وہ اسلام کے سچے اور پکے پیکر تھے۔ان کے اجلے پیکر کے ہر جھروکے سے اخلاص، محبت، اخوت، ہمدردی، رحمت ورافت اور اخلاق حمیدہ کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔

حکیم سعید کو مناظر قدرت اور معصوم بچوں سے بے پناہ محبت اور پیار تھا جہاں پھول کھلتا یا بچہ مسکراتا وہاں حکیم سعید کا دل مسرت وشادمانی، خوشی انبساط اور روحانی مسرت سے معمور ہو جاتا۔بچے کو تکلیف میں دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے۔بچے ان کی کمزوری بھی تھے اور توانائی بھی۔وہ ایک ہمدرد حکیم، رحمت ورافت کے پیکر حکیم، جو پیسے کے لئے نہیں محبت و شفقت اور روحانی سکون کے لئے لوگوں کا علاج کرتے تھے۔وہ صبر و تحمل، بردباری، ملنساری، انکساری اور قوت برداشت کا عظیم پیکر تھے۔

مشہور صحافی روزنامہ "مدینہ" بہاولپور کے ایڈیٹر منظور احمد رحمت اپنے کالم "خدوخال" مطبوعہ ۸ فروری ۱۹۸۶ء میں حکیم محمد سعید کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

حکیم محمد سعید صاحب کو جب دیکھتے ہیں تو دہلی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ صاف ستھری طبیعت، شگفتہ مزاجی، بے داغ وضع داری، اور رہن سہن کی سلیقہ شعاری بھی دلی والوں کی ادائیں تھیں------ حکیم محمد سعید دلی مرحومہ کی متحرک تہذیب ہیں۔ اس تہذیب میں شبنمی تاب ہے، دلبری کا نشہ ہے اور آموں کے پیڑوں جیسی خنک چھاؤں

ہے ---- حکیم صاحب بہت دھیرے بولتے ہیں لیکن ان کی تقریر کا مزہ قلمی آموں سے زیادہ شیریں ہوتا ہے - شیریں بیانی، لطیف اشارے، کنایے اور موضوع کا تنوع یہ سب کچھ ان کی تقریر کے یمین ویسار ہوتے ہیں - حکیم صاحب کی پہچان ان کا صاف ستھرا لباس پہناوے ہیں ------ ان میں تہذیب کی چھاپ ظاہر ہے - پائجامہ اور اس پر سفید شیروانی ---- انداز نگارش آزاد سے متاثر معلوم ہوتا ہے - یعنی ان کی تحریر پڑھنے کے لئے اچھے خاصے علم کی ضرورت ہوتی ہے اردو میں زبان عربی ہوتی ہے - شگفتہ فقرے اور بے ساختہ جملے فصاحت وبلاغت کے پیراہن میں یوں لگتے ہیں جیسے افق کے دامن پر جھلمل کرتے تارے "-

پروفیسر ہارون الرشید تبسم اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ "سادگی ایمان کی علامت ہے اور حکیم محمد سعید صاحب سادگی کا بے مثل نمونہ ہیں - آپ کی شخصیت میں ایک وقار اور سج دھج ہے - ظاہری اور باطنی لحاظ سے حکیم محمد سعید تصنع سے پاک ہیں - آپ نہایت ملنسار اور انسان دوست قسم کے انسان ہیں آپ کا مزاج دھیما ہے - انسان پہلی ہی ملاقات میں آپ کی شخصیت کے طلسم میں قید ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس حصار میں جکڑا ہی رہے کیونکہ جس طرح سورج ہر وقت روشنی بکھیرتا ہے، چشمے ہر وقت انسان کی پیاس بجھاتے ہیں اسی طرح حکیم سعید بھی انسانیت کو علم و آگہی، ایثار و قربانی، اخلاق و محبت جیسی خوبیاں عطا کرنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں -!"

مشہور صحافی مرزا سلیم بیگ اپنی شخصیات نگاری کے مجموعے "سورج سمندر" میں حکیم سعید کے بارے میں لکھتے ہیں :-

پاکستان کا نام علم و حکمت یا طب کے حوالے سے دنیا میں جس قدر بلند ہوا ہے اس میں حکیم محمد سعید کی شخصیت اور ان کی خدمات کا بڑا دخل ہے انہوں نے اپنی بھرپور جدوجہد سے طب کو عالمی سطح پر باوقار طریقے سے تسلیم کرایا ہے - حکیم سعید ایک بااصول، پابند اوقات، مثالی، محنتی اور ثابت قدم انسان ہیں -

حکیم محمد سعید عزم، حوصلہ اور محنت کی روشن مثال ہیں - وہ ایک آئیڈیل ہیں - ان

کی شخصیت میں قدرت نے جیسے کئی بڑی شخصیتوں کو سمو دیا ہے ان کی خدمات کو دیکھ کر انسان محو حیرت ہو جاتا ہے"

مشہور صحافی اسرار بصری (یہ غالباً شورش کاشمیری "مدیر چٹان" لاہور کا قلمی نام تھا) لکھتے ہیں :

بوٹا قد، بال کالے، پیشانی کشادہ، آنکھیں متحرک اور روشن بقول میر تقی میر ؎
سار ی مستی شراب کی سی ہے

لیکن سائنسدان کی طرح عینک سے ملفوف سارا دل افشا ہو کر شاعروں کا موضوع ہو جائے۔ غرور کا شائبہ تک نہیں۔ لباس دلی کا، چال ڈھال بھی وہی، لب و لہجہ بھی دلی کا، خواجہ حسن نظامی لکھتے تو انہیں اپنے "سی پارہ دل" سے تشبیہ دیتے۔ راقم اپنے مزاج کا وہ اپنے مزاج کے ----- میل جول ندارد۔ سر راہے کی چار ملاقاتیں۔ ایک مختصر مطالعہ کے بعد ان کی تصویر کچھ اس طرح بنتی ہے کہ غالب کی غزل، داغ کی زبان، محمد حسین آزاد کے شکوہ، راشد الخیری کے اسلوب، ڈپٹی نذیر احمد کے روزمرہ اور خواجہ حسن نظامی کی سلاست نے جمع ہو کر دہلی مرحوم کی شہرہ آفاق طب کے ہاں حکیم محمد سعید کا روپ دھار لیا ہے"

مشہور ادیب، دانشور ماہر تعلیم اور ماہنامہ "کندن" کراچی کے ایڈیٹر پروفیسر آفاق صدیقی اپنے مقالے "شخصیت ساز" ۱۹۸۹ء میں حکیم محمد سعید کے بارے میں کہتے ہیں۔

"حکیم صاحب کی مسیحا نفسی ہمہ صفت اور ہمہ جہت خصوصیات رکھتی ہے۔ وہ نہ صرف جسمانی ذہنی اور روحانی صحت کا خیال رکھتے ہیں بلکہ ان کی انسان دوستی اور جہان دوستی کا دائرہ جانے کہاں کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ مگر خدمت خلق کے لئے ہر وقت مستعد اور اپنے معمولات میں چوکس حکیم صاحب نے اپنی تمام تر انسانیت نواز صلاحیتوں سے انسانوں کی فلاح و بہبود کو اپنی مثبت تعمیری اور تہذیبی سرگرمیوں کا منتہا و مقصود بنا لیا ہے۔ سادگی، شرافت، علمیت، جذبہ خدمت، اور خلق خدا سے سدا بہار محبت کے اعلیٰ اوصاف حکیم صاحب کی شخصیت کو اتنا نستعلیق بنائے ہوئے ہیں کہ ان کو نوری نستعلیق کہنا چاہئے فکر و عمل

کے نور سے اس مثالی شخصیت کے جگمگانے کا راز ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "لوح دنیا پر دائمی تحریر ان ہی افراد نے رقم کی ہے جنہوں نے علم و عمل کے ارتباط، جہد مسلسل اور سعی پیہم کو بدرجہ کمال اہمیت دی" صفحہ ارضی پر رفعتوں اور عظمتوں کے شمس و قمر ان ہی اقوام و ملل نے روشن کیے جنہوں نے اپنی خودی کا احترام کیا ہے اور اپنے نظریہ حیات ملی کے تحفظ کو اپنا ایمان بنایا ہے اور اس حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ ایمان اساس نو ہے۔"

حکیم محمد سعید نے مختلف ممالک کے صدور، وزرائے اعظم بادشاہوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور سب آپ کے کام اور خدمت کے جذبے کے معترف تھے شاہ فیصل، شاہ خالد، شاہ فہد، جنرل ایوب خان، جنرل ضیاء الحق سبھی سے آپ کی ملاقاتیں رہی ہیں۔ ۱۰ مارچ ۱۹۸۵ء کو جنرل ضیاء الحق نے راولپنڈی میں ہمدرد مرکز کا افتتاح کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے کہا:

"لوگوں کا کہنا ہے کہ سیاستدان وہ ہوتا ہے جس کا عوام سے رابطہ ہو۔ اس فارمولے کے مطابق حکیم محمد سعید صاحب سے بڑا کوئی سیاست دان نہیں ہو سکتا۔ جو کل اور آج ان دو دنوں میں چار سو مریضوں سے نہ صرف ملے بلکہ ان کی نبض پر ہاتھ رکھے۔ آپ نے کہا "حکیم محمد سعید صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اس مادی دور میں لکھنے کی شمع روشن رکھنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کو سماجی برائیوں سے پاک کرنے کی جدوجہد کو اپنی زندگی کا مشن بنائے ہوئے ہیں۔" ماہنامہ "انتخاب" لاہور خصوصی اشاعت ۱۹۸۵ء

مشہور ادیب اور دانشور مختار زمن اپنے مضمون "حکیم سعید صاحب علم و عمل میں" لکھتے ہیں:

"ان کی ذات پاکستان کی اعلیٰ اقدار اور ہمارے معاشرے کی شریفانہ روایات کی شناخت ہے وہ سائنس ٹیکنالوجی اور جدید علم کی ترقیوں سے فائدہ اٹھانے آگے بڑھنے کے قائل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ دین کے احکام اور اگلوں کی وضع داری و شرافت کو بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اخلاق و کردار کو دین کا ستون سمجھتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے رسالہ "آواز اخلاق" جاری کیا ہے۔ سچ پوچھیے تو ان کی شخصیت میں جدید دور کا عالم باعمل نظر آتا ہے"

ماہنامہ "افکار" کراچی جنوری ۱۹۸۳ء

مشہور شاعر قمر ہاشمی اپنے ایک مضمون "حکیم سعید کے شب و روز پر طائرانہ نظر" میں لکھتے ہیں:

"حکیم صاحب نے مقام طب کو جو شرف و مجد اور عظمت و رفعت بخشی ہے اس کے لئے اس کے فن شریف سے تعلق رکھنے والے اصحاب فن ان کے قدر دان و مرتبہ شناس ہیں اور غایت درجہ ممنون و متشکر بھی کیوں کہ فکر مغرب کے خوشہ چینوں نے طبی سائنس کو غیر مؤثر کہہ کر اس کے طریق علاج کی جو صدیوں سے مزاج مشرقی سے مطابقت رکھتا ہے، مخالفت اور اس کے مردہ ہونے کی بشارت دینی شروع کر دی تھی۔ آغوش مغرب کے یہ پروردہ یہ زعم خویش یہ تصور کر چکے تھے کہ اب کوئی مسیحا نفس نہیں اٹھے گا جو طب کے عروق بے حس میں روح پھونک سکے مگر قدرت نے یہ اشارہ دے دیا تھا کہ ایک راز داں جو اس میدان کا شاہ سوار ہے۔ بساط و حیات کی بازی لگا چکا ہے ان کے لئے قدرت کا اشارہ یہ تھا "تو چہ دانی کہ دریں، گرد سنوارے باشد"

مشہور ادیب اور طبیب حکیم محمد عبدالرشید جیلانی اپنے مضمون "شام ہمدرد کے خالق حکیم محمد سعید دہلوی" میں آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"حکیم حافظ محمد سعید صاحب دہلوی کا شمار پاکستان کی ایسی ممتاز و نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے جن کی شخصیت میں علم و عمل اور تدبر و فراست کی اتنی خوبیاں پیدا کی ہیں کہ الفاظ کے عمومی قالب میں ان کا مکمل معنوی احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر خوبی ایک دوسرے سے ممتاز، فائق منفرد اور قابل افتخار ہے اور یہ کہنا قطعی مبالغہ نہ ہو گا کہ برصغیر پاک و ہند کی نجی دنیا میں ان کی سی دوسری مثال نظر نہیں آتی ہے۔ حکیم محمد سعید دہلوی نے معنوی لحاظ سے ایک عظیم ادارہ ایک وسیع الاطراف انجمن اور ایک ہمہ دم متحرک و تابناک تنظیم و تحریک کا روپ دھار رکھا ہے۔۔ جس کا ہر نقش مجلا و مرصع نظر آتا ہے۔

ان کی شخصیت اپنی ذات میں ایک تاریخی عظمت کی حامل ہے جس کا ایک ایک لمحہ ہمدرد کی صورت میں ملک و قوم کے مستقبل کے لئے مخصوص ہے ----- موصوف اپنی

انفرادیت کے لحاظ سے ایک ، نہایت ہی دلآویز اور پروقار شخصیت ہیں کشادہ و صاف پیشانی جو نجابت و وقار اور طمانیت قلب کی خود اعتمادی کی شفاف آئینہ دار، سر بو علی سینا کے سر سے مشابہ، مگر اکثر دستار و جوہیت وٹوپی سے بے نیاز، بالوں میں مانگ نکلی ہوئی- گویا علم و دانش کا ایک متحرک پیکر، آنکھیں غزالی اور پر اعتماد جن پر ہمیشہ رنگین چشمہ چڑھا ہوا- جمال بینی اور سیر چشمی کے خواص و غماز جن سے فہم و فراست کی روشنی چمکتی ہے- بھوئیں ستر اطی اور متوسط دیدہ ہائے بینا پر حکمت تعقل کا پہرہ کئے ہوئے- سفید و شفاف چہرے پر دلآویز تمکنت لئے ہوئے خدو خال جن میں انکسار و وجاہت کی چاندی مترشح ہوتی ہے- مروارید کی طرح دمکتے ہوئے دانت، بینی بالوں کی مانگ کی طرح سیدھی، شرافت نفس بردباری اور فعال قلب کی مظہر خوبصورت اور ہمہ متکلم، نیم متبسم ہونٹ، جو ہزار ملکی و غیر ملکی تقریبات میں تحقیق و دانش کے گہر ہائے آبدار بکھیر چکے ہیں- ٹھوڑی مصفا اور بالوں سے یکسر صاف، علم النفسیات کی رو سے باقاعدگی اصول پسندی، خودداری و وضع داری کی آئینہ دار، مونچھیں وضع قطع کے لحاظ سے نیم سینائی- مرغوب تر لباس، سفید براق اچکن اور پینٹ نما سفید پائجامہ اور اسی نسبت سے پاؤں میں سفید جوتے جن کی وضع قطع رنگ و ہیئت اور یکسانیت میں سر مو کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی-

قدو قامت میں متوسط مگر بالا غرلی، علمی و فنی وجاہت، بردباری و وضع داری اور تمکین و وجاہت سے مملو- یہ ہے حکیم صاحب موصوف کی شخصیت و سراپا کی ایک جھلک جو ہر ماحول ہر محفل، ہر تقریب و اجلاس، یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے ہر ملک میں اپنی امتیازی شان کے ساتھ بلا کسی تغیر و تبدل کے یکساں طور پر دیکھی جا سکتی ہے اور ہر دیدہ بینا کو دور و نزدیک سے اپنی جانب متوجہ و متعلق کر لیتی ہے" -----!

ماہنامہ "انتخاب" حکیم سعید پر خصوصی اشاعت، شمارہ نمبر ۳- ۱۹۸۳ء

مشہور ادیب دانشور اور عالم دین مولانا عبدالماجد دریا آبادی ملا واحدی کی کتاب "تاثرات" (جس کی ترتیب و تدوین حکیم محمد سعید نے کی تھی) میں حکیم سعید کے بارے میں لکھتے ہیں :

حکیم محمد سعید نام ہی کے "سعید" نہیں سعادتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرنا، ان کی تلاش ان کی فراہمی، اپنا طریقہ بلکہ پیشہ بنالیا ہے"

مشہور عالم دین مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سیرت طیبہ پر حکیم سعید کی ترتیب دی ہوئی کتاب "تزکار محمدؐ" کی تقریظ میں لکھتے ہیں :-

"محترم حکیم محمد سعید صاحب ہمدرد کو حق تعالیٰ نے خدمت خلق اور مفید عام کاموں کی جو توفیق بخشی ہے شاید کوئی پاکستانی اس سے ناواقف نہ ہو گا- خصوصاً طب یونانی کو اس کی کسمپرسی اور دم توڑنے کے وقت میں آپ ہی کی مساعی جمیلہ نے اس درجہ پہنچادیا کہ مغربی ڈاکٹری کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے- یہ کام پاکستان کے اقتصادی حالات کی درستی اور کم از کم علاج معالجہ میں اس کے خود کفیل ہونے کی طرف بہت مؤثر قدم ہے"

ممتاز افسانہ نگار، ناول نویس، سفر نامہ نگار اور سابق ممبر پنجاب اسمبلی محترمہ بشریٰ رحمان کتاب سعید سے ایک مضمون میں یوں رقم طراز ہیں-

"دنیا میں بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں پڑھنے، سمجھنے اور غور کر کے ان سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کا شوق تو ہوتا ہی ہے لیکن اگر ایسے انسان کو دیکھنے اور مل کر بات کرنے کا موقع مل جائے تو بڑی خوش قسمتی ہے وہ عظیم شخصیت جناب حکیم محمد سعید کی ہے- یہ مجسمہ پیار، خلوص، ملنسار، دیانت دار اور اخلاق حسنہ کے بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد وسیع علمی، ادبی، ثقافتی اور نیک ترین شخصیت ہیں جو اپنی تمام عادات کو زیادہ سے زیادہ رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کے عین مطابق (اپنائے ہوئے) ہیں- ان کا سادہ، سفید لباس جس کی دھلائی بھی وہ خود کرتے ہیں، سادہ رہن سہن، کھانا پینا سب کچھ ہی تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں پر مبنی ہے- حکیم صاحب نے دنیا کی تمام بناوٹی آسائشوں کو چھوڑتے ہوئے اپنی تمام تر کاوشوں سے جو تعلیمی ادارے کھولے ہیں جن مین سکول، کالج، یونیورسٹی، ایک بے حد کشادہ درسی کتابوں سے مالا مال لائبریری وغیرہ سب ہی کچھ تو ہے- انہی کی ہمت ہے کہ اتنے صبر و تحمل سے آگے سے آگے ہی بڑھتے جارہے ہیں- وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح طریقے سے بجالانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے- بچوں سے بے انتہا محبت و شفقت،

بڑوں سے ملنساری، انکسار، اوراعلیٰ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان اپنی تالیف "کتاب سعید" میں حکیم محمد سعید کی شخصیت اور فکروفن کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

ہر خط کا جواب اپنے قلم سے لکھ کر دیتے ہیں۔ کھانا بہت کم کھاتے ہیں۔اب بھی عینک کے بغیر پڑھتے ہیں (۱۹۹۴ء) عمر ۷۴ برس ہو گئی ہے۔اسی طرح چاق وچوبند ہیں۔ سفید شیروانی، چوڑی دارپاجامے اور سفید جوتوں کے بغیر کسی اور لباس میں ان کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ ہر وقت مسکراتے اور ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں۔ کبھی غصے میں نہیں (آتے) ہوتے کسی کا دل نہیں دکھاتے، پیار و محبت، اخلاص اور شرافت و تہذیب بانٹتے پھرتے ہیں۔ دوسروں سے مانگ کر قومی خدمت کے منصوبے چلانے والے تو شاید بہت سے ہوں مگر اپنی گرہ سے اپنی کل ہستی کو قوم پر لٹادینے والا شخص پاکستان کیا شاید دنیا بھر میں ایک ہی ہو۔ون اینڈ اونلی ون۔ حکیم محمد سعید چیئر مین ہمدرد فاؤنڈیشن، چانسلر ہمدرد یونیورسٹی لاکھوں کروڑوں آنکھوں کا روشن ستارہ، بے شمار قومی، عالمی اعزازات کا مستحق ومالک"

"حکیم سعید صاحب تن من اور دھن کے اجلے آدمی ہیں۔انتہائی سادہ اور سیدھی زندگی گزارتے ہیں اپنے جوتے خود پالش کرتے ہیں اور اپنے کپڑے بسااوقات خود دھولیتے ہیں۔ سفید رنگ ان کا مرغوب رنگ ہے سر سے پاؤں تک اسی رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ نفس کو کچل کر زندگی گزار رہے ہیں۔اچھااور بہت کھانا سیر و تفریح، کھیل تماشے، آرام اور دنیا کی دوسری بے شمار نعمتیں اپنے اوپر حرام کر رکھی ہیں۔ اللہ سے لولگائی ہے مگر اس کو اللہ کے بندوں کی خدمت کے ذریعے بڑھانے کو اہمیت دیتے ہیں۔"

حکیم سعید صرف طبیب ہی نہیں صداقتوں کی صلیب پر مصلوب ایک حق آشنا حق پرست ادیب و خطیب بھی ہیں۔وہ سفید اجلاہٹ کے اندر شائستہ شرافت اور شاداب ذہانت کی شمع روشن کیے وطن کی راہوں میں اجیارے بو رہے ہیں۔ سیاہ چشمے کے پیچھے سفید کلچر علم و عمل سے معانقہ کر رہا ہے۔ حکیم صاحب رموز مسلمانی سے آگاہ صدیق انسان ہیں جن کے لئے اسلام کاروبار حیات نہیں مسلک زیست ہے"۔

"ہر ایک سے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے ملتے ہیں مسکراہٹ ہونٹوں پر مستقل کھلتی رہتی ہے۔ حلیم و بردباری لہجے سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ آواز میں ایک پر اعتماد شیرینی ہے وہ شائستگی کے ساتھ مل کر ایک منفرد انداز گفتگو کو ہویدا کرتی ہے۔ نفاست ان کے ہر اقدام میں ملتی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے، بات کرنے، ملنے ملانے، لکھنے پڑھنے، ہنسنے مسکرانے ہر بات میں سلیقہ بولتا نظر آتا ہے۔

ان کے پیکر کے ہر جھروکے سے اخلاق، اخوت اور اخلاق منزہ کی کرنیں جھانکتی ہیں ان کے اندر محبت و خدمت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جو سبک خرام جھرنوں کا روپ دھار کر پیاسی سنگلاخ زمینوں میں راہیں بناتا ہے۔ آبلہ پا صحراؤں میں پھول کھلاتا ہے۔ حکیم صاحب کی دل آویزی کا بڑا سبب ان کی شخصیت، مزاج اور لہجے کا دھیما پن ہے۔ ان کی سرشت میں ٹھہراؤ، تمکنت اور میانہ روی سے گھل مل گئے ہیں اور اس سے ایک متین بانکپن نمودار ہوا ہے۔"

"سارے دوست ہمارے"، اشاعت ۱۹۸۹ء

حکیم محمد سعید - بحثیت مثالی انسان

فرشتوں سے بھتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

(حالیؔ)

اس دنیا میں اربوں انسان پیدا ہوئے اور اپنی طبعی زندگی پوری کرنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے - ان میں سے ایک گروہ ایسے عظیم انسانوں کا ہے جنھوں نے اپنے کارہائے نمایاں کے ذریعے دنیا میں شہرت دوام پائی - باقی سب معدوم ہو گئے گویا کہ وہ دنیا میں آئے ہی نہ تھے - وہ لوگ جنہیں اس دنیا میں شہرت دوام ملی ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے - ان میں پیغمبر علیھم السلام، فلسفی، عالم، مصلح، بادشاہ، اور دیگر نیک اور اچھے لوگ شامل ہیں جنھوں نے خدمت خلق میں اپنی زندگیاں بسر کیں - یہ لوگ انسانیت کے محسن ہیں - انہی کی بنا پر انسانیت کا بول بالا ہوا - یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کارناموں کی بنا پر تادمِ قیام قیامت زندہ و تابندہ رہیں گے - ان کے اسمائے گرامی ہمیشہ عزت و احترام سے لئے جاتے رہیں گے - حکیم محمد سعید بھی انہی گوہر ہائے تاجدار میں سے تھے - جنھوں نے اپنی انتھک محنت و کاوش سے دولت و ثروت کمائی اور اسے خدمت خلق پر استعمال کر دیا - پاکستان کے ہر بڑے شہر میں ہمدرد بلند و بالا مراکز خدمت خلق اور رحمت و فیض کے وہ سرچشمے ہیں جہاں سے لاکھوں انسان فیضیاب ہو رہے ہیں - صحت تندرستی اور توانائی پا رہے ہیں -

سادگی، شرافت، علمیت و عملیت، جذبہ خدمت اور خلق خدا سے سدابہار محبت کے اعلیٰ اوصاف نے آپ کی ذات کو نہایت اہم اور معزز شخصیت بنا دیا ہے - فکر و عمل کے نور

سے ان کی مثالی شخصیت کے جگمگانے کا راز خود ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ لوحِ دنیا پر دوامی تحریر ان ہی افراد نے رقم کی ہے جنہوں نے علم و عمل کے ارتباط، جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کو بدرجہ کمال اہمیت دی۔ صفحہ ارض پر رفعتوں اور عظمتوں کے شمس و قمر ان ہی اقوام و ملل نے روشن کیے ہیں جنہوں نے اپنی خودی کا احترام کیا ہے اور اپنے نظریہ حیات ملی کے تحفظ کو اپنا ایمان بنایا ہے اور حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ ایمان اساس نصر ہے۔

آپ نے ہمدرد کو اپنی بے لوث خدمت، ایثار و قربانی، جذبہ خدمت اور انسانی دوستی کا ذریعہ بنایا ہے۔ آپ نے دیگر حکیموں اور ڈاکٹروں کی طرح اس کو دولت بٹورنے اور انسانیت کا خون کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی لگاتار محنت، مسلسل جدوجہد کو خدمت انسانیت کا ذریعہ و مقصد بنایا ہے۔

وہ انسان جو مرتبہ انسانیت پر فائز نہیں رہتے وہ خود اس مقام خدمت کے لطف سے محروم رہتے ہیں اور متلاشی حق نہیں رہ سکتے اور احترام انسانیت نہیں کر سکتے۔ ان کی فکر ہمیشہ منفی ہو جایا کرتی ہے۔ حقائق کا احترام ان کا مقدر نہیں رہتا۔ ہر انسان کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ راہ حق کے مسافر کا احترام کرے اور صراط مستقیم سے دور بھولے بھٹکے انسان کو سچا اور سیدھا راستہ دکھائے حکیم صاحب کی زندگی کا جو مطالعہ میں نے کیا انہیں اس پہلو میں ہمیشہ سچا اور محترم پایا۔ وہ خلوص و محبت اور انس کے پیکر تھے۔ وہ شہرت سے بے نیاز اور نام و نمود سے دور رہنا اپنی شان قلندری کا لازمہ خیال کرتے تھے۔ اسی ضمن میں وہ ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"معاشرہ انسانی میں سب سے زیادہ آسان کام اعتراض اور تنقید ہے۔ کم فکر انسان کی رسائی دانش اس سے زیادہ آگے نہیں جا سکتی۔ یہ انسان نادان کی مجبوری ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے ناقدین کو نعمتِ فکر و نظر سے ہمیشہ محروم رکھا ہے اور ان کے وجود کو تنبیہات کے لئے برقرار رکھا ہے۔ میں اپنے ہر ناقد کو اپنا دوست سمجھتا ہوں اس لئے کہ اس کی تنقید سے میں اپنی حسب ضرورت اصلاح کرتا رہتا ہوں مریضوں کی بلا معاوضہ خدمات کرنا نہ تجارت ہے اور نہ تشہیر ہے"

کمال ہے ضد بے کمالی نہیں ان میں ملاپ حرف گیرو
جو ہم پہ چوٹ کیجئے گا تو کچھ برا نہ کیجئے گا
(حالی)

آپ ایک سنجیدہ اور بزرگ انسان تھے۔ دہلی کی روایتی شرافت اور ثقافت کی ایک زندہ تصویر۔ وہ جذبات کی رو میں نہیں بہتے تھے جاننے والے جانتے ہیں کہ انہیں غصہ بہت ہی کم آتا تھا اور بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آتا ہی نہیں تھا۔ ان کی زبان و قلم نہایت محتاط اور سنجیدہ تھے۔ وہ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سوچ کر ادا کرتے۔

وہ زندگی کے ہر معاملے میں روایت کو جدت کے ساتھ آمیز کئے ہوئے تھے ملنے جلنے میں، اخلاق و اطوار میں، خاطر تواضع میں، حفظ مراتب میں، مشرقی زندگی کی جوتوں کو قبول کرنے میں پورے جدید وضع پر قائم رہتے۔ مکمل روایت پسند صنعت کو سائنس سے مستفید کرنے میں انتہائی جدت پسند، قدیم طبی دانش کو زندہ کرنے میں پوری زندگی صرف کر دی۔ مگر جدید علوم و افکار سے فیض اٹھانے میں کبھی تامل نہیں برتا۔ علمی معاملات میں قصہ قدیم و جدید کو کم ظرفی خیال کرتے۔

وہ پکے اور سچے پاکستانی تھے ان کی حب الوطنی ہر مادی سوچ سے بالاتر تھی۔ وہ انسانوں اور پاکستان کی ہر چیز سے محبت کرنے والے تھے۔ پرائیوٹائزیشن کے نام پر جو پاکستان کی ہر چیز فروخت کی جارہی تھی اس کا انہیں سخت قلق تھا۔

آپ کھانے پینے کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔ پندرہ سولہ سترہ گھنٹے مسلسل کام کرنے کے باوجود ان پر فربہی کا بس نہیں چلتا تھا، ہر وقت چستی برقرار رہتی۔ حکیم صاحب میں جو قوت کار تھی اس کو دیکھتے ہوئے اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ وہ ضرور کوئی خاص دوا، معجون یا خمیرہ کھاتے ہوں گے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ دوا بہت کم کھاتے تھے ان کی صحت کا راز کم خوری میں تھا۔ وہ غذا میں احتیاط اور اعتدال برتتے، مضر صحت مشاغل سے احتراز کرتے۔ سگریٹ پیتے نہ پان کھاتے۔ بلکہ چائے تک نہ پیتے۔ ان کے

مطابق پر خوری انسان کی صحت کو جتنا نقصان پہنچاتی ہے۔اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ بھوک سے اتنے نہیں مرتے جتنے وہ زیادہ کھا کر مرتے ہیں۔ پھر وہ پر خوری کی وجہ سے اندرونی نظام کے بگڑ جانے پر طرح طرح کی دوائیں اور نشہ آور چیزیں استعمال کر کے اپنے قدرتی دفاعی نظام کو اور مضمحل کر لیتے ہیں۔

وہ کھانا کم کھاتے اور پانی زیادہ پیتے تھے اگر ذرا گرانی محسوس کرتے تو فاقہ کر لیتے ان کی صحت کا سب سے بڑا راز ان کا انہماک اور لگاتار کام کرنا تھا ان پر اپنے مقصد کی لگن پوری طرح محیط تھی۔ وہ اپنے مشاغل دینی، طبی، سماجی، علمی اور ثقافتی میں اتنے کھوئے رہتے کہ انہیں کسی قسم کے منفی خیالات کی مہلت ہی نہ ملتی۔ خوف، ناامیدی، حسد، جلن، انتقام، نفرت، کدورت اور وہ جذبات جو انسانی ذہن اور جسم دونوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان سے دور رہتے۔ وہ اپنی توانائیاں مثبت مقاصد کے حصول کے لئے شب و روز صرف کرتے اور ہر مقصد میں کامیاب و کامران رہتے۔ کامیابی سب سے بڑا ٹانک ہے۔ آپ ابتداء ہی سے محنت و کاوش اور جدوجہد کے عادی تھے وہ اپنی خوشی سے محنت کرتے۔ محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہمیشہ ثمر آور ہوتی ہے اور یہ ثمرات مزید خوشی و مسرت اور توانائی کا ذریعہ بنتے ہیں جو شخص سخت سردی میں بھی سوتی کپڑے پہنتا ہو اور برف پیتا ہو وہ انتہائی گرمی اور حبس میں بھی اسی توجہ اور اطمینان کے ساتھ کام میں مصروف رہے تو یہ انتہادرجے کا انہماک نہیں تو کیا ہے۔

آپ انتہائی مضبوط اعصاب کے مالک تھے تشویش و تردد تو جانتے ہی نہ تھے۔ البتہ فکر و تدبر اور جدوجہد کے قائل، اور عامل تھے۔ وہ بہت کم سوتے لیکن گہری نیند سوتے، کروٹیں بدلنے اور تارے گننے کا ان کو تجربہ ہی نہ تھا۔ کبھی خواب آور گولیاں کھائیں نہ کبھی خواب دیکھے۔ سونے سے پہلے ہلکا پھلکا مطالعہ کرتے اور صبح اٹھنے کے لئے کبھی الارم لگانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جس وقت چاہا مقررہ وقت پر اٹھ جاتے وہ کہتے انسان کے اندر ایک خود کار الارم لگا ہوا ہے۔ وہ انسان کو منشاء کے مطابق جگا دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ آدمی اس سے کام لینا سیکھ لے۔

آپ نے غصہ، نفرت، ضد، کینہ، عداوت، تعصب، جیسی عادات بد کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ ذاتی جائیداد قوم کے نام کر دی۔ سال کے دس، گیارہ مہینے روزے رکھتے تھے۔ صبح شام لاکھوں مریضوں کو دیکھتے۔ ہر سفر خدا یا علم کی راہ میں کیا۔ بڑوں کا احترام کیا اور چھوٹوں سے شفقت برتی۔ اپنے لئے نہ ہنسے نہ روئے۔ انفرادی زندگی کو اجتماعی زندگی میں ڈھال دیا اور نوع انسانی کی خدمت میں صرف کر دیا۔ وہ انسانیت کی سربلندی و سرفرازی کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہے۔ ان کے کشتہ تیغ ستم بن کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانے پر جناب ناصر زیدی نے کیا خوب قطعہ کہا۔

بزم جہاں سے شاداں و فرحاں چلا گیا
حکمت کا ایک عظیم دبستاں چلا گیا
انسانیت کا فخر ہوا قتل بے گناہ
وہ نیک خو سعید سا انساں چلا گیا

پاکستان نے ادب کے میدان میں نابغہ روزگار شخصیات پیدا کی ہیں ان بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں کا ہم پر کم سے کم یہ حق ہے کہ ہم ان کے کارہائے نمایاں آئندہ نسلوں تک بلا کم و کاست پہنچانے کے لیے اقدامات کریں اس مقصد کے پیش نظر ان ادباء پر الگ الگ کتابیں شائع کی جا رہی ہیں تاکہ شائقین علم و ادب، محقق اور طالب علم اس ادبی شخصیت کے بارے میں محض ایک ہی کتاب کی ورق گردانی کر کے مطلوبہ معلومات حاصل کر سکیں۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ISBN:969-472-137-7